

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شکست

س زور سے پٹگو گے، اسی زور سے اچھلیگا، ہم میں پہلے شخصی حکومت اور تشخص پرستی،  
سل پرزور حملوں سے جنہیں نہ تو کسی بزرگ کے سپید بالوں کا لحاظ کیا گیا اور  
کے جوش حوصلہ مندی کی پروا کی گئی، بالآخر ہم نے اسکو چور چور کر ڈالا، اب ہم  
یت پسند ہیں کہ ایک کام بھی مشورہ جمہور کے بغیر انجام دینا نہیں چاہتے۔

اس جمہوریت کا نشانہ، کانفرنس، لیگ، یونیورسٹی وغیرہ قومی مجالس تھیں،  
 کہ خیر دنیا کے دیگر طبقات کسی حال میں ہوں، لیکن ہم مصنفین اور ارباب قلم  
 اس خیرہ سری سے پاک ہے، لیکن ہمارے حسن ظن میں کس قدر ناکامی  
 گذشتہ ہفتوں میں نواب وقار الملک مرحوم کی ترتیب سوانح کے لئے بعض  
 مجلس شوریٰ کی تجویز پڑی، جس میں ملک کے چند مسلم تعلیمی و سیاسی اصحاب کے  
 باہم مشورہ سے وہ اس عظیم الشان قومی کارنامہ کو انجام دیں!

اس سلسلہ میں ایک صاحب نے اس تجویز میں اتنی ترسیم چاہی کہ خیر مجلس شوریٰ اگر مستعد نہ ہو سکے تو ملک میں ترقی اردو اور دارالمصنفین تصنیف اور تالیف کے دو کارخانے قائم ہوں، سیرت وقار ان ٹکسالوں میں بھیج دو، خود بخود ڈھل کر تیار ہو جائیگی۔

مولانا حالی مرحوم نے سرسید کی ایک ضخیم لائف کیا لکھ دی کہ قومی بزرگی کا یہ ایک جز، لائفنگ قرار پا گیا کہ ہر محسن قوم کے حالات، واقعات، مدارج اور مناقب ایک کثیر الاوراق کتاب کی صورت میں ضرور چپ جانے چاہئیں، کسی شخص کی زندگی کو ایک پوری کتاب میں بھیلانے کے لئے صرف صاحب زندگی کی بڑائی اور عظمت کا ترانہ کافی نہیں، بلکہ اُس میں گوناگون واقعات، کثیر التعداد احوال تاریخی، مختلف اشیوں حالات، مدوجز اوانشیبہ فراز کی کیفیات، ملک و قوم کے انقلابات کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی بزرگ کی زندگی میں یہ سرمایہ ہاتھ نہ آ سکے تو اس کی کوئی ضخیم اور کثیر الاوراق سیرت جسکو عرف عام سوانح عمری کہہ سکے، تیار نہ ہو سکیگی،

مسلمانوں کے اس فقارہ فخر کی آواز کو کوئی دبا نہیں سکتا کہ تراجم و سیر کے ابواب کے  
 جسقدر اٹھنوں نے ترقی دی، دنیا کی کسی قوم نے نہیں دی، لیکن ہندوستان کی زمین میں  
 اگر انکا یہ جوہر اکودہ خاک ہو گیا، یہی سبب ہے کہ آج ہم عرب و عجم، اور مصر و شام کے  
 علماء اور رجال کے حالات جسقدر جانتے ہیں اپنے ملک کے علماء اور اشخاص سے  
 واقف نہیں، ۱۵۰ء کے بعد سے ہم نے نئی زندگی شروع کی ہے، ایسا منہ کہ اس جدید  
 زندگی میں بھی ہم اپنی پرانی غلطی کا اعادہ کریں،



”تصورات کلیہ کے عنوان سے تین ہزون میں حضرت عباری کا جو مضمون شائع ہوا نہ صرف جدید تعلیم یافتوں میں مقبول ہوا بلکہ علماء کے حلقہ میں بھی دلچسپی سے پڑھا گیا، خصوصاً جناب مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی نے مقالہ نگار کے زور فکر کی بڑی داد دی ہے، نواب عماد الملک بلگرامی جن سے زیادہ ہندوستان میں مشرقیات و مغربیات کا کوئی جامع نہیں، لکھتے ہیں، ”عباری کون صاحب ہیں، مضمون انکا نہایت عمدہ ہے، بڑے مشکل مسئلہ پر انھوں نے قلم اٹھایا ہے، اور عمدگی سے حل کیا ہے، مضمون نگار صاحب جو بھی ہوں مگر بدعوی کہتے ہیں کہ تنہا کالج کی انگریزی تعلیم یہ نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی،“

جناب مشیر حسین قدوائی بیرسٹریٹ لا، مقیم دوکنگ (انگلینڈ) کے ایک تازہ خط سے یہ معلوم ہوا کہ آج کل فرانس میں انحضرت صلعم کی ایک سوانح عمری لکھی جا رہی ہے جس کے لئے بہت بڑے پیمانہ پر گرانقدر مصارف تصویریں بنوائی جا رہی ہیں، یہ تصویریں مختلف حالات کے لحاظ سے اگر خود رسول اللہ صلعم کی ہیں تو یہ ہر مسلمان کے تاسف کا باعث ہوگا،

عربی تعلیم کا جو معیار سو دو برس سے ہندوستان میں قائم تھا سب سے پہلے مذہب نے اس معیار کو بلند کیا، اور خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے ممتاز عربی مدارس میں اسکی مسابقت کا شوق پیدا ہوتا جاتا ہے، مذہب نے ہر علم کی تکمیل کیلئے علیحدہ علیحدہ درجے قائم کئے اور چند درجے نمونہ کے طور پر رکھول بھی دیئے، اب چند سال ہوئے دارالعلوم دیوبند میں علم حدیث کی تکمیل کیلئے دارالحدیث کی تجویز زیر عمل ہے، فرنگی محل کے تازہ اعلان سے معلوم ہوا کہ وہاں کے مدرسہ نظامیہ نے علم فقہ کی تکمیل کیلئے دارالاجتہاد قائم کیا ہے، بزرگان فرنگی محل اس سعی حسن کیلئے تمام مسلمانان کی طرف سے شکر یہ کہتے ہیں،

فہم سے ایسا نہ سمجھا جائے کہ نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خدمات جلیلہ کے میں، مقصود یہ ہے کہ اس عہد کے اکابر کے حالات ممکن ہے کہ کسی مستقل تصنیف نہ قبول کر سکیں، یا پھر سوال ہے کہ نواب صاحب مرحوم کی تخصیص کیا ہے؟ مولانا جنکے قلم نے دوسروں کو زندہ کیا، کوئی جادو قلم انکی حیات علمی کو زندہ رکھنے کی ریگا، اور یادش بخیر نواب محسن الملک نے کیا تصور کیا ہے، سید محمود کو کیوں اسلئے بہتر ہے کہ ”رجال العصر“ کے نام سے اپنی جدید زندگی کے اکابر علم اور کا موقع کھینچیں، غالباً ایک دو جلد میں یہ دلچسپ مجموعہ تیار ہو سکیگا، اس ری کے لئے علی گڑھ بہترین مرکز ہوگا، کیا علی گڑھ کا شعبہ علمی ہمارے معروضات کو مستحق ہے؟

دو جلدی حبیب الرحمن خان، ڈہاکہ کے ایک علم دوست بزرگ ہیں، انکا جب خط اسکو شوق سے پڑھتا ہوں، اگر ڈہاکہ کی وہی اردو ہوتی جو انکے خط میں ہوتی ہے، لی کے بعد اسکا تیسرا درجہ ہوتا، بہر حال شمس العلماء آزاد مرحوم نے لکھا ہے کہ ان کی دریائے لطافت اردو قواعد کی پہلی کتاب ہے، حکیم صاحب موصوف کی دہشتجونی اس نظریہ کو باطل کر دیا، امیریل لاہوری کلکتہ میں شمس البیان اردو لغات ایک کتاب ہے جو دریائے لطافت سے ہا برس پہلے لکھی گئی ہے، جھکویا داتا ہے کہ اس موضوع پر مائے میں بھی ایک کتاب موجود ہے، ابھی حال میں ایک ناقص لطیف رسالہ ہماری دوست کے کانام صرف اردو ہے، رسالہ منظوم ہے اور پرانی زبان میں ہے، شاید کوئی بزرگ ہیں وہ ہیں، لاہور ڈیپو اور ڈاکٹر منٹر کی اس میں بڑی تعریف کی ہے، سال تصنیف ۱۲۸۵ھ ہے، سال تصنیف پایا ہے ازراہ عنایت یہ رسالہ انھوں نے ہمارے مطالعہ کیلئے بھی بھیجا ہے



# مقالہ

اہل السنۃ والجماعہ

دوسرا دور

(۳)

در راہ عشق پیر و پیشینان ایم  
این شیوہ را بطرز دگر می کنیم ما

گذشتہ نمبر میں اہل السنۃ والجماعہ کی جو تعبیر کی گئی تھی وہ سیاسی فرقوں کے مقابلہ میں  
معیاری لیکن حالات کے انقلاب سے یہی لفظ ایک اور معنی پیدا کرتا ہے جسکو ہم لفظ اہل السنۃ والجماعہ

کا دوسرا دور کہتے ہیں،

دوسرے دور کی تشریح کے لئے ایک مختصر تہید کی ضرورت ہے،

جس طرح اشخاص کے فطری خصائص اور اخلاق ہوتے ہیں، اسی طرح قوموں کی بھی

خصوصیتیں اور ان کے طبعی اخلاق ہیں، عرب کی قوم فطرتاً سے ہی ایران سے زیادہ

سخت ہے، جن لوگوں کی فطرت علم کلام کی تالیف پر ہے وہ جانتے ہیں کہ حب تک عربوں کا

ن کے ساتھ اختلاف نہیں ہوا، عربوں کے ہر قسم کے قوائے علی زندہ تھے، انھیں حضرت صلح

نوں کو دوسری قوموں کی تقلید اور مشابہت سے منع فرمایا تھا، اس کا مقصد یہی تھا کہ

نوں کے قوائے اخلاقی اسلامیت اور عربیت کے صحیح نمونہ پر قائم رہیں، حضرت عمرؓ

ن سپاہیوں کو ایران کی مہم پر روانہ کیا تھا تو ان کو نصیحت کی تھی کہ وہ ایرانیوں سے آرام

نہ حاصل کریں، غیر قوموں کو مسلمانوں کے تشبیہ اور ان کے طرز لباس کی تقلید سے بھی

اسلامیت کا جوہر اس اختلاف اور تشابہ سے برباد نہ ہو جائے،

فتح ایران کے بعد عرب و عجم کے حدود و فوجی چھاؤنیوں کی تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی  
چنانچہ اسی ضرورت کی بنا پر کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد ہوئے، تھوڑے ہی دنوں میں یہ شہر  
عرب و عجم کے غیر مرئی اخلاق و خصائص کے نمائندگاہ بن گئے، ان اطراف میں اسلام کے  
پہلے سے بھی پارسیوں کے وہ فرقے جن کا مذہب سرکاری مذہب کے موافق نہ تھا، جو بحیثیت  
باطل فرقے شمار ہوتے تھے، آباد تھے، چونکہ یہ حکومت ایران کی آخری سرحد تھی، اسلئے ان  
مذہبی مجرموں کے لئے ان سے بہتر کوئی ماسن نہ تھا، عربوں نے فوجی نقطہ نگاہ سے ان  
مقامات کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا،

عرب کی خشک آب و ہوا میں رنگین طبیعتوں کی پرورش کے لئے عراق کے سبزہ زار

اور وجہ و فرات کے کناروں سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی، ان وجہ سے اس زمانہ میں یہ شہر

علم و مذہب، ادب و تمدن کی دھچپوں کے باغ بہا رہتے، لیکن عرب و عجم کے رنگ مذاق

میں جو طبعی اختلاف ہے، اسکے ابھرنے کے لئے اس سے بہتر زمین کا کوئی صفحہ نہ تھا، نتیجہ

یہ ہوا کہ یہ جنگ و عمل کی فوجی سرزمین ادھام و خیال کی رزمگاہ بن گئی،

لوگ کہتے ہیں کہ رات کو بیماری کی شدت بڑھ جاتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بیماری کی

شدت نہیں بلکہ بیماری کے احساس کی شدت بڑھ جاتی ہے، دن کے شور و غل اور جو اس کی

مصرفیت میں احساس کا کم موقع ملتا ہے، لیکن رات کی خاموشی اور غیر مصروف گھنٹوں

میں ہمارے احساسات ایک ایک رونگٹے کو ٹھوٹے ہیں اور اس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں،

امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ نے جب باہم صلح کر لی، اور لوگوں کو اطمینان سے غور کا

موقع ملا، تو ہر گردہ کو اپنے بدن کے زخم جھکے دیکھنے کی پہلے فرصت نہ تھی، محسوس ہونے لگے،

دن کے شور و غل اور جو اس کی غافلانہ مصرفیت کے بعد اب شام ہو رہی تھی اور اس کے



آ رہے تھے، عمل کا دور ختم ہو کر اب تخیل کا دور شروع ہوتا ہے، سب سے پہلے سوال پیدا  
یہ کون سے پیدا ہوا کہ ہم اگر حق پر تھے تو دوسرے فریق کی نسبت ہم کیا خیال کریں،  
حق پر نہ تھے تو ہم خود مذہبی عدالت میں کیا ٹھرتے ہیں؟ قرآن کہتا ہے،

لَمْ يَكُنْ لَكُمْ مَوَدَّةٌ مَعَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِهِمْ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِهِمْ وَإِذَا مَدَّ إِلَيْهِمْ يَدًا لِوَدْعَةٍ أَخْذُوا بِهَا وَلَا تَرْجِعُوا إِلَيْهِمْ كَلِمَةً وَلَا تَعْنُوا لَهُمْ عَنَّا قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُكُمْ أَنْ زَيَّلَ عَنْكُمْ ذِكْرِي وَكَفَرُوا بِلَايَاتِي فَكَرِهُوا لِأَتَايَ يَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي نَفَخْتُ فِيهِمْ وَلَا يَكْفُرُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ إِلَىٰ عَذَابِي وَيَكْرَهُونَ

اس بنا پر عثمانیہ اور طرفداران معاویہ اپنے کو برحق سمجھ کر دوسرے کو جہنمی قرار دیتے تھے  
اپنے مخالفین کی نسبت یہی فیصلہ کرتے تھے، خوارج نے کہا کہ دونوں نے جان بوجھ کر  
دوسرے پر تلوار چلائی، اسلئے دونوں جہنمی ہیں، اہل السنۃ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ قتل عمد  
یا شہہ ہے کہ ہر ایک فریق اپنے کو برحق جانتا تھا اور دوسرے کو برسر باطل سمجھ کر  
راعتقاداً دوسرے کا خون بہانا جائز اور مباح سمجھتا تھا، اسلئے اسکا فیصلہ اسکے  
حقیقت حال سے واقف اور نیکوں کے اہل فتنہ سے آگاہ ہے،

خوارجی اور مسلم دونوں میں ہے کہ کون سے چند لوگ حضرت ابن عباس کی خدمت  
اور آئے پوچھا کہ یہ آیت فسوخ ہے، فرمایا نہیں، یہ آیت آخر میں اُتری ہو اسکو  
فسوخ نہیں کیا، مسلم میں ہی کہ حضرت عائشہ نے فرمایا، قرآن میں تو یہ ہے کہ ہم  
اول کے لئے دعاے مغفرت کریں، لیکن لوگ انکو گالیوں دیتے ہیں ام المؤمنین کا

بہ حیثیت خانہ جنگیوں کے ہی دور نہ مناقب اور فضائل کے لحاظ سے حضرت علیؑ کا جو پایہ پروردگار نے انہیں  
میں امیر معاویہ وغیرہ کا نام لینا، ذرہ کو آفتاب کے برابر کرنا، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ کی ترتیب فضیلت کے  
بجہ اور اہل السنۃ کا یہی مسلک ہی کہ حضرت علیؑ کا درجہ حضرت عثمانؓ کے بعد ہی لیکن قدامے اہل السنۃ اس  
الئے ہیں ابن ابیہم نے کتاب لغت میں بیسویں محدثین کے نام لکھے ہیں جو حضرت علیؑ کی تفصیل کے قائل تھے،

اس آیت پاک کی اشارہ ہے،

رَبِّنا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا الذَّيْنِ  
سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ

جسے پہلے یمن معاف کر،

یہ حدیث بخاری اور مسلم کی کتاب التفسیر میں ہیں، سلف صالحین اور محدثین اہل سنتہ نے  
اصولی حیثیت سے اس مسئلہ کو ذکر کیا، اور عقاید کی عام کتابوں میں اسکا تذکرہ ہے،

خوارج کے نزدیک چونکہ یہ قتل عمد تھا جو گناہ کبیرہ ہے اور جس سے دائمی جہنم کا انسان  
مستوجب ہوتا ہے، اور دائمی جہنم کا مستوجب ہونا صرف کافروں کی صفت ہے، اسلئے گناہ کبیرہ کا  
مترکب کافروں کا، اس نتیجہ نے خارجی مذہب کے اصول اولین کی حیثیت اختیار کر لی، اسکے  
المقابل ایک فرقہ پیدا ہوا جو مرجیہ کے نام سے مشہور ہوا، اس نے بعض احادیث کی بنیاد پر  
یہ دعویٰ کیا کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں، گناہ سے مومن کسی طرح عذاب مستحق  
نہیں ہوتا ہے چہ جائیکہ اس سے کفر لازم آئے، ایک تیسرا فرقہ معتزلہ کا ان دونوں کے  
بیچ میں پیدا ہوا جس نے دونوں گزشتہ فرقوں کے دلائل سن کر یہ فیصلہ کیا کہ گناہ کبیرہ کا مترکب  
مومن ہے نہ کافر ہے، کفر اور ایمان کے بیچ کی منزل میں ہے،

اہل السنۃ پھر آگے بڑھتے ہیں وہ ان فرقوں کی طرح جو صراط مستقیم سے ہٹ گئے صرف  
ایک دو آیت یا حدیث کو لیکر فیصلہ نہیں کرتے، انکے سامنے قرآن کی تمام آیتیں تھیں،  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ہدایات تھے، صحابہ کے آثار اور روایات تھے، انھوں نے کہا،  
گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کفر لازم نہیں آتا، لیکن عذاب کا مستحق ضرور ہوتا ہے، یہ ممکن ہے کہ  
خداوند تعالیٰ اپنی قدرت اور رحمت سے گنہگار کی خطاؤں کو معاف کر دے اور اسے عذاب سے  
بچائے، صحیح مسلم میں جو کہ بعض لوگ خوارج کے دلائل سن کر خارجی بن گئے، اتفاق سے انکا گذر



ہوا وہاں حضرت جابر سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے پوچھا کہ گھنگا رہتے بھی جائینگے انھوں نے  
کے تمام واقعات اور گھنگا رون کی شفاعت اور حضرت کی شہیدان کی یہ سن کر ایک کے  
بے تاب ہو گئے۔

ہم نے پہلے نمبر میں لکھا ہے کہ ان فرقوں نے قومی تقسیم کے علاوہ ملکی تقسیم بھی حاصل کر لی تھی مثلاً  
نی و ناصبی وغیرہ حامیان بنی امیہ تھے، اور عراق میں علوی اور اہل عجم تھے، بنو امیہ نے  
کر بلا میں جگر گوشہ رسول کے ساتھ جو کچھ کیا، سرزمین حرم میں نواسہ صدیق (ابن زبیر) کو  
یدردی کے ساتھ قتل کیا، زید شہید کا سر جس طرح اتارا گیا، مدینۃ الرسول میں انصار کرام جو  
کے دست و بازو تھے انکو جس سفاکی سے تہ تیغ کیا، بصرہ کے محدثین اور علماء کا خون جھڑک  
بھیا، حجاج کے ہاتھوں میں جو تلوار انھوں نے دی تھی جو کبھی حجاز کے رگستان میں  
عراق کے سبز زاروں میں جکتی تھی اس سے کئی لاکھ تن بے سر تھے،

تمام ملک ان مظالم سے زیرِ ذر بھتا، تلوار کا جادو زبانوں کو گونگا کر سکتا تھا لیکن  
ٹانٹا نہیں نکال سکتا تھا، اسکے لئے مذہبی منتر کی ضرورت تھی، آخر وہ منتر انکو مل گیا اور  
جبر تھا، یعنی یہ کہ انسان مجبور محض ہے، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے، اسلئے انسان اپنے  
کا ذمہ دار نہیں، اسکی ذمہ داری خدا پر عاید ہے، ان وجوہ سے ان سفاکیوں کے لئے  
نہیں بلکہ نعوذ باللہ خود خدا بدلتا ہے مجرم ہے،

اسکے مقابل تم خود فیصلہ کر سکتے ہو کہ عراق کے مذہبی جادو گردن نے اہل شام کے اس  
بزرگ کاٹا ہوگا، وہ نظریہ قدر ہے۔ یعنی یہ کہ انسان اپنے تمام اعمال کا آپ ذمہ دار ہے  
نئی شے نہیں، خدا نے انسان کو اسکے افعال پر قدرت دے رکھی ہے انسان خود جس طرح

چاہتا ہے کرتا ہے، یہ آواز سب پہلے عراق سے اٹھی اور منسوبہ یا سوسن نام ایک عجمی نژاد  
کی زبان سے بلند ہوئی، مسجد جنی نے اسکو اصول عقاید میں داخل کر دیا، کچھ لوگ بصرہ سے  
حضرت ابن عمر کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہمارے ہاں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں جو تقدیر  
منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام کام پہلے سے مقدّر ہو کر نہیں بلکہ سرزد ہوتے ہیں، حضرت ابن عمر نے فرمایا  
انکو کہدو کہہ کو اُن سے تعلق نہیں اور انکو ہم سے نہیں، مسجد جنی نے بصرہ کے علی حلقون تکبت آواز  
پھینچائی اور رفتہ رفتہ دائرہ وسیع ہوتا گیا،

مبعد اور عطار بن بسیرا حضرت حسن بصری کی خدمت میں آئے اور عرض کرتے کہ یہ لوگ  
(بنو امیہ) خلق خدا کا خون بہاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا کے حکم اور  
تقدیر سے کرتے ہیں، انھوں نے کہا خدا کے دشمن جوٹ کہتے ہیں، آخر مسجد نے بغاوت کی  
اور عبدالملک اموی کے حکم سے قتل ہوا، بعد عمر بن عبید بعد بن درہم، اور غیلان دمشقی وغیرہ  
اس آواز کو دبے ندیا، اور یہ سب کے بادگیر بنو امیہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے، انکے قتل نے  
اس فرقہ میں اور زیادہ جوش برپا کر دیا، اور ایک دوسرا اصول ان میں مسلم ہوا کہ سفاکوں اور  
ظالموں کو ٹوٹنا اور عدل و انصاف کی دعوت دینا فرض ہے، اسلئے اس فرقہ کا نام قدریہ  
پڑا اور آخر بڑھتے بڑھتے یہی معتزلہ بن گئے،



اب وہ وقت آگیا کہ امویہ کا درگزر کر عباسیہ کا ستارہ اقبال سیاہ پرچم کے سایہ میں  
ایران کی سرزمین سے طلوع ہوا، یونان و عجم کے فلسفہ نے زبانوں کی گرہیں کھول دیں کہ جسکے  
منہ سے جو بات نکلی وہ ایک مذہب بن گیا، عراق، خراسان، رے وغیرہ ایران کے بڑے بڑے  
شہر مذہب ساز یونان اور فرقہ بندیوں کے مرکز بن گئے، خراسان میں جہم بن صفوان ترمذی پیدا ہوا



نے خدا کے تمام صفات الہیہ کا انکار کیا، اور خدا کو مجبور محض فرض کیا، معتزلہ نے خدا کو  
ت سے استعد منزه کیا کہ وہ معدوم کے ہم معنی بن گیا، ابن کرام سیستانی نے رے میں  
تجسیم کا وہ اعتقاد ظاہر کیا کہ ایک خوبصورت اور ثقہ صورت انسان بنا کر تخت پر بٹھادیا،  
تجسیم بھی ایک خیال پڑھنے والے خراسان میں سلیمان مفسر نے یہ اعتقاد ظاہر کیا کہ خدا  
نوشت اور پوست سے مرکب ہے، ہشام بن حکم نے گوشت و پوست کے بجائے اسکو  
تجسیم کہا، ہشام بن سالم جو لقی نے کہا خدا نور ہے، گوشت و پوست نہیں، اور کا ڈھڑکھونٹ  
کا دھڑکھٹوس ہی، اسکے کالے بال ہیں، انسانوں کی طرح حواس خمسہ رکھتا ہے  
، پانوں ہے، منہ ہے، آنکھ ہے، ناک ہے، اور اڑھی نہیں، بیان بن سمعان نے کہا  
تجسیم تو ہے لیکن قیامت میں وہ فنا ہو جائیگا، صرف چہرہ رہ جائیگا، معتزلہ نے اسکی  
کا انکار کیا، اکثر نے تسلیم کیا، دوسروں نے کہا رویت ان حواس خمسہ سے نہیں بلکہ  
روحانہ سے ہوگی جو قیامت میں خدا پیدا کر لیگا،

بہ بحث تو صرف خدا کی ترکیب کے لحاظ سے تھی، خدا کے صفات کی بحث اسکے بعد شروع  
، جہم نے خدا کے صفات الہیہ سے انکار کیا کہ اگر صفات ہوں تو انکی بقا بھی لازم  
اور دائمی بقا صرف خدا کی ذات کے لئے ہی، نیز ذات و صفات سے مل کر خدا کی  
زم آتی ہے، اور وہ ترکیب سے پاک ہے، معتزلہ نے کہا خدا کی عین بسیط ذات ہی  
کی قائم مقام ہے، اسکے مقابل ظواہر نے کہا صفات ذات سے الگ مستقل  
ہیں، اشاعرہ نے کہا کہ صفات نہ عین ذات ہیں نہ خارج از ذات ہیں، کعبی نے  
میں صرف ایک صفت علم ہے، ارادہ اسکی ذات کے ساتھ قائم ہے،

بان اور عل ایک شے ہے، یا عل ایمان سے خارج ہے، ایمان زبان سے صرف

اقرار کا نام ہے یا دل سے محض اعتقاد کا، یا زبان کے اقرار اور دل کے اعتقاد دونوں کے  
مجموعہ کا، ایمان میں کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے یا نہیں، خدا پر ایمان لانا عقلاً واجب ہے یا سمعاً،  
بنوت کا ثبوت عقل سے ہوتا ہے یا نقل سے، معجزہ ممکن ہے؟ معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں،  
معجزہ محض اسباب پر مبنی ہوتا ہے؟ خدا کے احکام میں مصالح اور حکم ہوتے ہیں، خدا کے کام  
اسباب کے زیر اثر ہیں؟ قرآن معجزہ ہے یا نہیں، قرآن کا جواب درحقیقت نہیں ہو سکتا تھا  
یا ہو سکتا تھا لیکن خدا نے انسان سے اسکی قدرت سلب کر لی ہے، قرآن اگر معجزہ ہے تو  
کس حیثیت سے، پیشینگوئی کی حیثیت سے یا عبارت کی حیثیت سے، قرآن کیونکر کلام الہی ہے  
وہ قدیم ہے یا حادث، اسکے الفاظ بھی قدیم ہیں یا حرف معانی جنت اور دوزخ کا وجود حقیقت  
میں بھی ہے یا اس سے مجازی معنی مراد ہیں، اگر حقیقی مراد ہیں تو اسوقت موجود ہیں یا نہیں،  
قیامت میں وہ رہیں گی یا فنا کر دی جائیں گی، جسکے دل میں ذرا بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں  
داخل ہوگا یا نہیں، قبر میں بندہ پر عذاب ہوتا ہے یا نہیں، دوزخ میں کفار صرف ایک بار  
جلنکے یا بار بار خدا کو محال قدرت ہی یا نہیں، ظلم کر سکتا ہے یا نہیں، اور آخر یہ کہ نوز بائد وہ جہنم میں لے جاتا ہے یا نہیں؟

اہمیت کا سلسلہ ہم نے چھیڑا نہیں کہ اس سے پھر ایک اور سلسلہ پیدا ہوگا،  
یہ اور انکے علاوہ سنکر دن فرخرفات مسائل کی صورت میں پیدا ہوئے اور جسکی عقل نے  
جوابات کی وہ ایک گروہ کا مذہب قرار پاگئی، چنانچہ یہ تمام مسائل مختلف فرقوں میں نفیاً  
یا اثباتاً اصول مذہب میں داخل ہیں، یہ اختلافات صرف زبان اور دلائل تک محدود  
نہ رہے، بلکہ بارہا باہم دست دگر بیان نبوت بھی، تیسری صدی میں اشعریت پیدا ہوئی جس نے  
محدثین اور فقہاء میں بھی حسن قبول پیدا کیا کہ اسکا مسلک عقل و نقل اور معتزلہ اور اہل ظواہر کے بیچ بیچ میں تھا،  
اس نے ایک طرف باقلانی، ابن فورک، غزالی اور رازی کے زور بیان سے دوسری طرف



شاہ سلجوقی، سلطان محمود غزنوی، سلطان صلاح الدین ایوبی اور محمد بن قسطنطین مصری کی تلواروں سے وہ قوت حاصل کی کہ تمام فرقتوں کے سامنے دب گئے، تاہم بغداد میں جب تک زندہ رہی، حنابلہ اور اشاعہ جن میں سے ہر ایک کتاب و سنت پر عمل کا تہناد غویدار تھا، کبھی ان کے باہمی فتنوں سے خالی نہ رہی۔

(۴)

اسلام کے مختلف فرقوں کی پوری روداد اب ہمارے سامنے ہی، غور سے پڑھو اور دیکھو کہ فتنے کا اصلی مبنی اور ان کی پیدائش کے اصلی اسباب کیا تھے؟ یہ تھے کہ اسلام کی کو چھوڑ کر صرف تخیل کی زندگی انھوں نے بسر کرنی چاہی۔

اسلام میں اختلافات کی جو بنیاد پڑی جب تک ان میں عجمی عنصر غالب نہ ہوا وہ زندگی کی جنگ تھی، وہ مذہب کی آمیزش کے بغیر خالص سیاسی اور لڑنے والی جنگ تھی۔ فیصلے کئی بار تلوار سے چاہے گئے، عجمیت کے عنصر نے پائلیکس کو مذہب کے چھپا دیا اور تلوار کی جگہ شلوک، شہادت، استدلال عام فریب، تاویل فاسد نے لیلیٰ، نتیجہ یہ ہوا کہ تلوار کی جنگ گروادی جسم کو فنا کر رہی تھی لیکن قومی زندگی ہی تھی، قوم میں زندہ رہنے کا جوش و خروش تھا، اس طرز جنگ نے زندگی کے اور مذہب کی اصل روح اور عمل کی اصلی قوت کو فنا کر دیا۔

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح عقاید اور عبادات دو چیزوں سے مرکب ہی، لیکن عقاید کی وسعت اور کثرت کا شائق نہیں بلکہ اسکے رسوخ استواری اور شدت غالب ہے، لیکن انسانیت کی بیمار فطرت ہمیشہ وسعت کی طرف جاتی ہے، بت کا فرستادہ اس رمز سے آگاہ ہوا، صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا،

لن يبرح الناس يتساءلون حتى يقولوا  
هَذَا اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ

لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے بحث و مناظرہ کرتے رہے  
یہاں تک پہنچے کہ اچھا خدا نے سب چیزیں کو پیدا کیا، پھر  
خدا کو کس نے پیدا کیا،

مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ نے آیت ذیل تلاوت فرمائی،

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ  
تَحْكُمَاتٌ مِنْ أَمْرِ الْكِتَابِ وَأُخْرَى مَتَشَابِهَاتٌ  
فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ  
مَا تَتَّبَعَهُ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ  
تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ  
وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ  
كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو

اس نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی جس میں کچھ آیتیں محکم  
اور واضح ہیں اور اصل کتاب ہی اور بعض متشابہ ہیں  
جنکے دونوں میں کمی ہے وہ متشابہ کے پیچھے پڑتے ہیں  
فقہہ انگریزی کے لئے اور اسکے مطلب کو حل کرنے کے لئے  
حالانکہ اس کا حقیقی مطلب خدا کے سوا کوئی نہیں  
جانتا اور جو علم میں کہتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم سپر  
ایمان لائے یہ سب خدا کی طرف سے ہی اور عقلمندوں  
سوا کوئی عبرت نہیں پکڑتا۔

الالباب

پھر فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَتَّبَعَهُ مِنْهُ  
فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللَّهُ فَاخَذَ رُوحَهُمْ

جب ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ کے پیچھے پڑتے ہیں  
تو جان لو کہ یہ وہی ہیں جن کا خدا نے نام لیا تو ان سے احتراز کرو

اسی بنا پر صحابہ کرام سے اگر ایسا فعل سرزد ہوتا جو اس ارشاد کے خلاف ہوتا تو آپ  
سخت برہم ہوتے، ترمذی میں حضرت ابوہریرہ سے اور ابن ماجہ میں عبد اللہ بن عمر سے  
مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ اصحاب ایک حلقہ مجلس میں بیٹھے  
بحث و نزاع میں مشغول ہیں، فرمایا کہ کس مسئلہ میں گفتگو کر رہے ہو، عرض کی مسئلہ تقدیر میں،



## جدید علم ہیئت اور عربی اصطلاحات

سات آٹھ برس ہوئے میں نے المذودہ میں "مسلمان اور علم ہیئت" کے عنوان سے دو تین ہزار دن میں ایک مضمون لکھا تھا اس کے آخر میں اس دعویٰ کے ثبوت میں کہ جدید علم ہیئت قدیم مسلمان ہیئت دالوں کا کس درجہ ممنون ہے، ہیئت کے چند عربی اصطلاحات جو اب تک یورپ کے علمی حلقوں میں متعارف نہیں تھے، اس کے بعد اس قسم کے اور مزید اصطلاحات کی گفتیش جستجو کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ اچھا خاصہ ذخیرہ اس کا اثنائے مطالعہ میں جمع ہو گیا، جنوری ۱۹۱۸ء میں مجلس تہنیت سالگرہ والیہ بھوپال کی دعوت پر بھوپال جانے کا اتفاق ہوا، یہاں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہمارے دوست منشی محمد ممدی صاحب نائب ہتم صیغہ تاریخ بھوپال کو بھی اس شعبہ سے خاص دلچسپی ہے، اور انھوں نے بھی اس قسم کے اصطلاحات فراہم کئے ہیں، ذیل میں انکی کوششوں کے نتائج ناظرین کے پیش کش ہیں، جو الفاظ ان سے چھوڑ گئے تھے، انکو اضافہ کر دیا ہے منشی صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں:

جب وعدہ چند اصطلاحات اور ستاروں کے نام حسب قدر میں نے جمع کئے ہیں روانہ خدمت کرتا ہوں، پہلے ہی نام عموماً انگریزی اور دیگر یورپین زبانوں میں متداول تھے سنہ ۱۸۷۰ء میں جرمنی کے ایک عالم فلکیات (Dr. Baily) نے آسمان کا ایک نقشہ بنایا، اس میں ستاروں کے عربی اور یونانی ناموں کے بجائے یونانی حروف استعمال کئے، جب تسمیہ کو کب کا یہی طریقہ رائج ہو گیا کہ صورت کو اکب کے نام میں علامت نسبت اضافہ کر کے نام کے پہلے یونانی

ی آپکا چہرہ سرخ ہو گیا، راوی کا بیان ہے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی چہرہ مبارک نے اسے پھوڑ دیا ہے، آپ نے فرمایا، کیا تمکو اسی کا حکم دیا گیا ہے، کیا تم اسی لئے گئے ہو، کیا میں یہی پیغام دیکر پھجھا گیا ہوں، قرآن کی ایک آیت کو دوسرے آیت پر تم سے پہلے جو تو میں تھیں وہ اسی سے ہلاک ہوئیں، میں تاکید کرتا ہوں کہ ہمیں جہل و کفر اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام عقاید کی وسعت اور ان میں بحث و نزاع کا مقام ہے، وہ صرف اس پیغام پر ایمان اور یقین کا طالب ہے جو علی الاعلان وہ تمام نام ہے، جسکے سمجھنے میں نہ عرب کے بدوؤں اور افریقہ کے حبشیوں کو تامل ہے اور ان کے حکیموں اور یورپ کے فلاسفوں کو، بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک ایک مسلمان غلام آزاد کرنا تھا، وہ احمق سی کوئی حبشیہ لائے اور دریافت کیا کہ کیا ان سے ہے؟ آپ نے اس سے پوچھا خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف دیکھی، آپ نے ان صاحب فرمایا، ایسا وہ مسلمان ہے؟

مذکور اسلام کی حقیقت پر کتنے پردے پڑ گئے ہیں، آپ تو اسلام کے لئے صرف آسمان کی نگاہ اٹھا دینا کافی سمجھتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک آج کوئی مسلمان نہیں ہے جسکے نفسی کے تمام بندے عقاید پر حرفاً آمین نہ کہتا جائے،

بہت

موازنہ انیس و دہیر

لانا بشلی مرحوم کی یہ تصنیف ایک مدت سے ناپید تھی، شائقین نے بار بار درخواستیں کیں کہ تمیل ہو سکی، اب بڑی مشکل سے اس کے کچھ نسخے ہاتھ آئے ہیں، خوشخط، عمدہ قیمت ہے،

مینچر



بنا ہے۔ *ardh* کے معنی *Badger* (بجڑ) لکھے ہیں، عربی میں بجڑ کو ضبع کہتے ہیں، اگر ارضہ سے بنا ہے تو اسکے معنی دیک کے ہیں، ممکن ہے کہ یہ نام غنق الضبع ہو، عربی میں اکثر ستاروں کے نام مرکب ہیں، انگریزی میں انکا صرف ایک جز لیلیا گیا ہے، میں نے مرکب ناموں کے متروکہ جز جب قدر دریافت ہو سکے اور قیاس سے معلوم ہو سکے تو میں لکھ دیئے ہیں،

عربی ناموں میں ایک تصرف یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کل کا نام جز کو دیدیا گیا، یعنی عربی میں وہ ایک ستاروں کے جہرٹ یا صورت کو اکب یا منزل قمر کا نام تھا، انگریزی میں وہ صرف ایک ستارہ کا نام رکھ دیا گیا، اس فہرست میں منزل قمر پر م-ق، اور صورت کو اکب پر ص-ک بنا دیا ہے،

اس فہرست میں کل ۱۰۴ نام ہیں، ابھی تلاش جاری ہے، آئندہ اور جب قدر نام معلوم ہونگے، وہ بھی آپ کے پاس بھجود گا، فی الحال آپ نے جب قدر نام جمع کئے ہیں، انکے ساتھ انہیں بھی معارف میں چھاپ دیجئے،

### ستاروں کے نام

Acherne.	آخز انہر	Al Adhafera	الانظفار
Acrab.	(اکلیل) العقب	Al Bali.	وسعد = البلیع = م-ق،
Acubens.	الزبانیان - م-ق،	Al Chiba	الخباء
Adhara.	نظم (الکلب)	Alcor.	النور
Adhra. Aludra.	العذار	Aldebran	الدبران
Adid = Adib.	الضبع	Alderamin.	نظم البین

دیا جاتا ہے جیسے *B. Persel 'a orronis* سے عربی دیونانی نام متروک ہو گئے، تاہم اب بھی چند دیونانی ناموں کے علاوہ ستاروں کے عربی نام علم ہیئت کی انگریزی کتابوں میں لکھے جاتے ہیں، مسئلہ فہرست بہ ناموں کے پہلے میں نے حرف میم بنادیا ہے، یہ نام حال کی مطبوعہ کتابوں میں ہے، میں چنانچہ "ایری پاتھس ٹودی اسٹارس" میں بھی جو ستارے میں مطبع پائیر سے نئی ہے موجود ہے،

انگریزی میں علم ہیئت کی بعض اصطلاحیں اور ستاروں کے نام ایسے بھی ہیں جن پر دن کا ذکر ہوتا ہے، مثلاً *Kumak 'Kornephoros* (ارتفاع) *Elucola 'Alcyone 'Alburis* *Regulus 'Merope* وغیرہ لیکن یہ دیونانی نام ہیں، کیمہ اور سترین پہلے میں بھی انکو عربی ناموں کی نسخ شدہ صورت سمجھتا تھا، لیکن تحقیق سے ملت ثابت ہوا،

ی طرح عربی الفاظ کی ایسی صورت گڑھی ہے کہ بادی النظر میں وہ عربی الفاظ تو مہوتے اور اصل الفاظ کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا ہے، اس فہرست میں جب قدر نام میں انکی قدیم و جدید ہیئت کی عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کتابوں اور عربی و انگریزی سے تحقیق کر لی ہے، البتہ بعض نام ایسے ہیں جنکی اصل عربی نہ معلوم ہو سکی، اور بعض ہیں جن پر مجھے پورا اطمینان نہیں ہوا، نام معلوم اور شبہ ناموں پر میں علامت ؟ ہے، ایک نام *Almaak* ہے اس کے عربی نام کی جگہ میں نے یہی علامت دی، دیگر کی ڈکشنری میں لکھا ہے کہ یہ عربی نام *Al anuqulandh* سے







Rastaban	راس الثبان	Chabit	ازار	Merach	مراق (۹)
Rigil	رجل (الجوزا)	Cheemin	کشفه الجنوبي	Merak	مراق (الدب)
Rigil Kentaurus	رجل قنطورس	Chaban	کشفه الشمالي	Mintaka	منطقته (الجوزا)
Ruchba	رکبة (الکری)	Unukalhai	قطعة الفرس	Mirfat	مرفق (السلسلة)
Ruchbarurranish	؟	Urkaburrami	قطب	Mirzam = Murzam	مرزم (ایمانی)
Sabik	سائق	Vega	توس شمالی	Mizar	میزر
Sadachbia	سدا الاخیه	Wasat	توس نصف النہاری	Mufrede	مفرد (الراح)
Sadalmelik	سدا الملک	Wezen	سج	Hair al Zaurak	خیر الزورق
Sadal Sud	سدا السور	Zeldun	مرفق (الحوا)	Nashira	نشر - م - ق
Sadr	الصدر (۹)	Zarjara = Zarifan	مربک (۹)	Nekar	نکار - ص - ک
Sailnaschrurah	؟	Zaniah	مربک (۹)	Nebal = Nihal	نیل
Saiph	سیف (الجبار)	Zaurak	مغزو (الدب)	Nitak	ناتق (الجوزا)
Schedar	صدر (ذات الکری)	Zubenelchamal	میان	Nusakan	نوسکان - ص - ک
Schemali	(ذنب قیوس) شمالی	Zubenelgenubi	مبسط	Okda	رقة (القیطان)
Shaula	شور - م - ق	Zubenhakrabii	مقبوضه	Phard	(۹)
Sheliak	شیاق - ص - ک	Alankubut	منکب (۹)	Phecda	(الدب)
Sheratan	شرطان - م - ق	Alidad	منکب (قیوس)	Rasalasad	راسد
Sulaphat	سلفات - ص - ک	Almucantar	منکب ذی النان	Rasalgethi	راس جثی
Carazed	طریقه	Astrolabe	منکار (القیوس)	Rasal Hague	راس الحوا
		Azimuth			
		Nadir			
		Zenith			



# لاہور کا مشہور فارسی شاعر

(۲۱)  
مسعود سعد سلمان

شاعر کے حالات خود اسکے کلام سے

ترجمہ شیخ عبد القادر ایم اے پروفیسر انیسٹن کالج، بمبئی

ایک مدت کی چٹائی ہوئی داستان آج پھر شروع ہوتی ہے، شاید ناظرین کو واقعہ یاد بھی ہو، مرزا عبدالوہاب قزوینی کا یہ مضمون ہے، پروفیسر براؤن نے اسکو انگریزی میں منتقل کیا اور ہمارے دوست پروفیسر یوسف اسکو اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں،

مسعود سعد سلمان ہندوستان کی خاک سے پیدا ہوا تھا، اور لاہور کا باشندہ اور حکومت غزنین کی طرف سے جالندہر کا گورنر تھا، بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا تھا اس قید سے چھوٹ کر دوبارہ قید ہوتا ہے، کیا اس زمانہ میں بھی کوئی قانون تحفظ ہند تھا؟

دوسری قید | ابونصر فارسی جب بادشاہ کے معرض ناخوشی میں آیا تو اس کے متعلقین و ملازمین بے دستور پکڑے گئے، معزول کئے گئے، یا قید خانہ میں ڈال دیئے گئے، ان میں مسعود سعد سلمان تھا، جو قلعہ مرغین میں قید کیا گیا، اور وہاں اسکو ایک مدت دراز تک جیل میں رہنا ہوا، اسی

تین میں اس نے سلطان مسعود کے اہل دربار اور ندیوں کی مدح میں اتنی دلگداز اور رقت انگیز مثنوی لکھیں کہ بقول نظامی عروضی ان کے پڑھنے سے روئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انگوٹوں سے ہنسنے لگتا ہے، مگر با این ہمہ سلطان کا دل مائل نہ ہوا، آخر کار قیاس غالب کے مطابق

۱۰ سال کے بعد ثقہ الملک طاہر بن علی کی کوششوں سے اسکی رہائی ہوئی، یہ امور بالانظامی کے الفاظ یہ ہیں: دقت باشد کہ من از اسرار و خواہم ببرد نام من راست شود و جان آن داد کہ آب چشم من برود و بعد

بطریق اجمال مذکور ہوئے، انکے ثبوت میں اب میں مسعود کی نظموں سے اشعار نقل کر دینگا، جب مسعود (جالندہر کا گورنر تھا، اسکا ایک دوست محمد خطیبی نام جو شاید ابونصر فارسی کے متعلقین سے تھا، قزواری (قصدار) کا جو سیستان میں ہے کشتہ تھا، ان دونوں کو بھی معزول کر کے قید میں ڈال دیا گیا، ثقہ الملک طاہر بن علی کے (جو سلطان مسعود کا ایک وزیر تھا) ایک مدحیہ قصیدہ میں محمد خطیبی کو مسعود دلاسا دینے کی کوشش کرتا ہے اور اس قصیدہ کے چند الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسعود کے قید کا سبب اس کے جالندہر کی حکومت کے ساتھ وابستہ ہے

محمد اے بجہان عین فضل ذات و ہنر	توئی اگر بود از فضل در جہان پیکر
ترا خطیبی خواند و شاید و زبید	کہ تو فصیح خطیبی بنظم و نثر اندر
رحب حال چون تو زہرہ ام خون شد	کہ نظم کردہ آن را بگفتہ چو شکر
چون بگرم ہمیدون پس از قضاے خدا	بلاے ما ہم قزواری بود و جالندہر
دواہل فضل دوا آزادہ و دو محتلم	دو خیرہ راے دو خیرہ سرد و خیرہ بصر
مرا اگر پس ازین دوستی دہد یاری	من دشناے خدا و ندو خامہ و دفتر
بمدحت ثقہ الملک ازین چہ دریادل	بغوص طبع برآرم طوہماس گھر

ثقہ الملک طاہر بن علی بن شکان سلطان مسعود بن ابراہیم کا وزیر تھا، عونی مسعود سعد سلمان کے ترجمہ میں لکھتا ہے، (صفحہ ۲۴۹) ثقہ الملک کے بارہ میں وہ لکھتا ہے کہ جب وزارت کی صدارت کے مندرجہ ذیل امتیاز کے ساتھ منصوبہ ہوا تو مسعود کے اکثر قصیدوں میں جو ثقہ الملک کی مدح میں ہیں، سلطان مسعود کی مدح میں داخل ہے، ان میں سے ایک بیت لکھا ہوا ہے: بیت نہ چو ثقہ الملک بود ملک فردوسی نہ نیز چو مسعود بود ملک ستانی - ابوالفرج رودنی نے بھی اسکی مدح میں قصیدہ لکھے ہیں، ایک قصیدہ میں وہ لکھتا ہے، ثقہ الملک خاص و خازن شاہ + خواجہ طاہر علیہ عین اللہ بیت سے یہ نظر آتا ہے کہ اسکو وزیر کے خطاب کے پیشتر خاص کا خطاب تھا، سنائی نے بھی اسکی مدح میں نظمیں لکھیں اپنے کارنامہ میں سلطان مسعود کی مدح کے بعد لکھتا ہے: ثقہ الملک طاہر بن علی + بادشاہ جون بنی و از جود کی ترا کرد آسمان ظاہر + یک زمین است و طاہر طاہر + مختاری غزنوی نے بھی اسکی ثنا خوانی کی ہے یہ رباعی اسکی ہے: ہر ثقہ الملک سردار گران آید بظاہر تو سر اسے سران + چون شد بچان دش جرت گران یا نہ شمر عمر و جہان میگذران ابوالدین حامی بن نظام الغضنی کے آثار و الزوار میں اور غیاث الدین خواند میر کے دستور الزوار میں اسکا یعنی ثقہ الملک کا ترجمہ (باید گرافی) موجود نہیں، شعرا کے کلام میں اسکا نام اور لقب جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ثقہ الملک



ی زمانہ کے قریب یعنی اسکی دوسری قید کے شروع میں اُس نے اپنا مشہور قصیدہ  
رہنایت دلگذا اور رقت انگیز ہے، اسکی ابتدائی اشعار حسب ذیل ہیں،

از کردہ خویشن پیشا نم جز تو بہرہ دگر نیا نم  
کارم ہمہ بخت بد بیچا نم در کام زبان ہی بہ بیچا نم  
این برخ بکام من نمی گردد بر خیرہ سخن ہی چہ کردا نم  
رغزون کے بعد یوں کہتا ہے،

تا زادم اے شگفت مجوسم تا مرگ مگر کہ وقف زندا نم  
یکچند کشیدہ داشت بخت بد در محنت و در بلا سے الودا نم  
چون پیر ہن عمل پوشیدم بگرفت قضا سے بد گریا نم  
بر بیدہ باز بتلی گشتم آورد قضا بسج ویرا نم  
بر مغربن اے سپہر ساعت چندین چہ زنی کہ منج سندا نم  
در خون چہ کشی تنم نہ زدیم در قف چہ بری دلم نہ پیکا نم  
حملہ چہ کنی کہ کند شمشیرم پویہ چہ دہی کہ تنگ میدا نم  
رود کہ بالیتا دشبیدم بس بس کہ فرد گست خفتا نم  
سبحان اللہ مرا گوید کس تا من چہ سزا سے بند سلا نم

فقہ ۲۵) طاہر بن علی پایا جاتا ہے، اس بات کی سند کہ علی شکان کا بیٹا تھا، صرف نظامی عروضی ترقی  
اس شکان کا بیٹا ابونصر منصور بن شکان تھا جسکا انتقال ۱۰۳۹ھ (= ۱۰۳۹-۱۰۳۹) میں ہوا، اور جو سلطان  
بیٹے سلطان مسعود کا سرکاری تھا اور مقامات ابونصر شکان کا مصنف اور ابوالفضل بیہقی مصنف  
ستاد شکان کی یادگاری کے لئے دیکھو صلاح الدین صفدی کی دانی باونیات ابن الاثیر، رد قانع ۱۰۳۹  
من بیہقی کی تاریخ، پس معلوم ہوتا ہے کہ ثقہ الملک طاہر بن علی بن شکان ابونصر کا بیٹا ہے، اسکی وفات  
یعنی طور پر نہیں ملی، لیکن غالباً وہ ۱۰۳۹ھ (= ۱۰۳۹-۱۰۳۹) کے بعد اور ۱۰۳۹ھ (= ۱۰۳۹-۱۰۳۹) کے پہلے ہوئی چاہیے

واللہ کہ چو گرگ یوسفم واللہ بر خیرہ ہی نہند بہتا نم  
گرہرگز ذرہ کثری باشد در من نہ ز پشت سعد سلا نم  
آخر میں کہتا ہے،

پیوستہ چو ابرو شمع می گرم دین بیت چو حزن و مح سونا نم  
فریاد رسیدم اے مسلمانان از بہر خدا سے اگر سلا نم

اس قصیدہ کے کل اشعار اسی طرح دردناک ہیں، گو مذکورہ ابیات ہمارے موجودہ  
مطلب سے جو مسعود سعد کے سوانح زندگی سے متعلق شواہد اور حالات بہم پہنچانا ہی خارج ہے،  
انگوہیان بطور نمونہ جلیات درج کیا گیا،

ایک دوسرے قصیدہ میں جو ثقہ الملک کی مرح میں لکھا گیا ہے وہ کہتا ہے کہ پہلے  
سال میں وہ حکومت کے جلیل القدر امراء اور افسردن میں سے تھا، ہر ایک درم سرکاری کی  
جسکا وہ ذمہ دار تھا، حساب دہی کر سکتا تھا با این ہمہ وہ قطعہ مرتج میں ایک سال تک انتہا  
درجہ کی ذلت اور خواری کے ساتھ قید کیا گیا، یہ قصیدہ اس نے دوسری قید کے پہلے سال  
میں لکھا تھا، رسمی طرح کے بعد کہتا ہے،

دشمن و دوست دیدہ بود کہ من یار بودم ز جملہ اعیان  
اسپ بسیار و بندہ بے حد مال انواع و نعمت الوان  
من چوستان ہی دو انیدم از چپ و راست بر کشادہ ہان  
بر ہمہ اعتماد آنکہ مرا نتواند کہ کس نہند بہتان  
کردہ ام شغل و کردہ ام محنت کہ نذیرہ است کس چنین چنان  
از عمل نیست یکدرم باقی بر من از پیچ و جہر در دیوان



ہستم اینک درین حصار مرنج گندہ و خستہ نہ خان زمان  
شکم دشت میں درین کیساں واللہ دریافت است جامعہ دنان

اسی شخص یعنی ثقہ الملک کی طرح کے ایک اور قصیدہ میں یہ نظر آتا ہے کہ اسکی  
کے وقت قلعہ مرنج کے قید خانہ میں اسکو دو سال گذرے تھے، مرنج کے بعد وہ کہتا

رنج و تیمار در حصار مرنج جان من رنجہ کرد و طبع نگار

طبع و جان مرا بر حمت و فضل بحر از رنج و برکش از تیمار

تو خود از خوشنیتن رواداری در چنین سبج اگر کمیرم زار

چون ز اس سال پار یاد کنم زار گرم ز حسرت پیرار

تقصہ ایک وزیر کو جسکا نام گو صر کا مذکور نہیں مگر یقیناً اندازہ ہو سکتا ہے کہ ثقہ الملک  
ہے، مخاطب کر کے شاعر اپنے زمانہ قید کی مذمت صاف طور پر بیان کرتا ہے  
ہ مرنج کی قید کے تیسرے سال میں تصنیف کیا گیا،

من درین جلس چند خواہم بود ماندہ بندی چنین گران برپاے

ہفت سالم بکوفت سود و ہک پس از اتم سہ سال قلعہ نایے

در مرنج کون سہ سال بود کہ بہ بندم در این چود و رنج جاے

رنج کے متعلق اسکی نظموں میں اس سے زیادہ زمانہ کا یعنی تین سال سے زیادہ کا

یا، ایک دوسرے قصیدہ میں جو سلطان مسعود بن ابراہیم کی طرح میں ہے

علوم ہوتا ہے کہ قید خانہ سے چھوٹنے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لکھا گیا ہے

ملع یہ ہے:

ہان پیش را کہ نکر دند جز ستم شاہ زمانہ کرد بہ تیج و نبشت کم

مرح کے بعد وہ یوں کہتا ہے:

ہرگز بجز مت حرم اسے شاہ مر مرا

نہ نہ چو مدت افسر حشمت بود سزد

از جو کہ ضعف تن نکند خاطر مرا

کز رنج تن بر این دل من دست یافت

کا فتادہ بود ازین پیش ای چرخ شیر زخم

د بندگیت ازین پس چون کلک چون دوتا

نامد بدل کہ کردم از نیگہ نہ محترم

گر مرنج گوئی تو شود از خلق محترم

در مرنج تو بجز و بتقصیر متهم

وز در دل برین تن من چیرہ شد مقم

باجان دمال جام چون گرگ غنم

بندم میان بجان کشایم بہ مرنج خم

اسکے بعد ایک اور قصیدہ میں جو اسی حاکم کی طرح میں ہے، وہ کہتا ہے

انعام شاہ را کہ مراد او خاندان بسیار شد بشکر چو نہ ادا کنم

گر و ز من شننا کنش بر ملا بہ نظم در شب ہی بہ نشر دعا بر ملا کنم

ثقہ الملک طاہر بن علی کے متعلق جس نے اسکو قید خانہ سے رہا کرایا، مسعود سعد نے

مندرجہ ذیل دو رباعیان لکھیں، ان رباعیوں سے نظامی عروضی کی روایت کو کہ یہی

ثقہ الملک مسعود کی رہائی کا باعث ہوا تقویت ملتی ہے،

چرخم چو بجز است گشت بیچ گمان جاہ تو بنزد گانیم کرد ضمنان

گویم ہمہ شب ز شام تا صبح دمان اسے دولت طاہر علی باقی مان

اور:

در خدمت طاہر علی یارم جان کز خدمت طاہر علی دارم جان

ہر صبح سے روانم بر کف دست در خدمت طاہر علی آرم جان

مرتب جس | قلعہ مرنج میں جو زمانہ رحس گذرا اسکی ٹیک ٹیک اور پوری مدت مقرر کرنے میں



واقع ہے، ایک طرف:

ہفت سالم کو فت سودہک پس از آنم سہ سال قلعہ نالے  
در مرغم کنون سہ سال بود کہ بہ بندم درین چودوزخ جائے

ان دو شعرون سے ایسا نظر آتا ہے کہ اسکی قید کی کل مدت تیرہ سال کی تھی،  
ن ابراہیم کے عہد سلطنت میں دس سال، اور سلطان مسعود کی حکومت میں تین  
ان شعرون سے یہ نتیجہ بالضرور نہیں نکل سکتا کہ قلعہ مرغ کے قید کی مدت تین  
زیادہ نہیں تھی، کیونکہ ممکن ہے کہ اس قصیدہ کی تصنیف کے بعد وہاں زیادہ  
بوس رہا ہو، لیکن ایک جگہ وہ اس سیزوہ سالہ مدت کا با تصریح بیان کرتا ہے  
سیدہ میں جو اس نے ملک ارسلان بن مسعود کی مدح میں انشا کیا ہے، اس قصیدہ  
مباد شاہ سے مہربانی اور حسن ارادت کی درخواست کرتا ہے، اور اپنے گزشتہ  
بستوں کا جو قسمت کے ہاتھوں اسکو پھینچی تھیں بیان کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ  
نک مجوس رہا اور اسکا یہ کہنا مذکور بالا اشعار کے بالکل موافق ہے وہ قصیدہ  
ہوتا ہے،

سے تازہ دلب پر خندہ نو بہار آمد بخد مت ملک و شاہ کامگار  
ان ابواللوک ملک ارسلان کہ ملک ذات عزیزا اور اپرورد در کنار  
کے بعد وہ آگے چل کر کہتا ہے:  
ظاہر رحمت و فضل تو ماندہ ام اسے کرد روزگار ترا دولت انتظار  
مذہ سال سیزوہ مجوس ماندہ ام جان کندہ ام رحمت در پس حصار  
سے تنگ دشمن ماندہ مستمند در بندے سخت تر ماندہ استوار

دارم ہزار دشمن و یکجان دیم تن  
بے برگ و بے نوا شدہ و جمع گردن  
بسیار امیدوار ز تو یافتہ نصیب  
پیر و ضعیف عالم و درویش و عاجز م  
گیرم گناہگارم و اللہ کہ نیستم

لیکن گزشتہ دایم من از ہشت صد ہزار  
عورات بے نہایت و اطفال بے شمار  
من بے نصیب گشتہ و ماندہ امیدوار  
بریری و ضعیفی من بندہ رحمت آر  
نہ عفو کردہ گنہ ہر گناہگار

اور دوسری طرف ہفت اقلیم، مجمع الفصحی را اور مسعود کے مطبوعہ دیوان میں ایک قطعہ ہے  
جسکو لوگ مسعود سے منسوب کرتے ہیں اور جس میں وہ ابوالفرج کی طرف خطاب کرتا ہے،  
اس قطعہ کے چند اشعار یہ ہیں،

ابوالفرج شرم نایدت کہ بہجد بچنین جس و بندم انگندی  
تاسن کنون ز غم ہے گریم تو بشادی ز دور می خندی  
شد فراموش کر براسے تو باز من چہ کردم ز نیک پیوندی  
مرتجیح پاک نامد از آنک نوزدہ سال بود کام بندی

اس قطعہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ ۱۹ سال قید میں رہ چکا تھا، اور جس وقت اس نے یہ قطعہ  
کہا تھا، اسی وقت وہ پھر زندان میں ڈال دیا گیا تھا، کچھ شک نہیں کہ ان دو اشعار میں سے  
ایک میں ضرور غلطی واقع ہوئی ہے یا تو لفظ "نوزدہ" جو "نوزدہ سال" بودہ ام بندی میں موجود ہے،  
یا لفظ "سیزوہ" جو "من بندہ سال سیزوہ مجوس ماندہ ام" میں واقع ہے غلط ہے، پس بہتر یہی کہ ہم  
دونوں مقام پر یا ۱۳ یا ۱۹ پر ہیں، نظامی عروضی کے اشارہ سے کہ مسعود سعد سلمان، سلطان  
مسعود کے عہد حکومت میں آٹھ سال قید تھا، مجھے ہٹیک معلوم ہوتا ہے کہ ملک ارسلان کے  
مدحیہ قصیدہ میں لفظ "سیزوہ" غلط ہے اور بجائے اسکے لفظ "نوزدہ" یا "سیزوہ" ہونا چاہیے پس



# باب اول در بیان تعلیم

الترتیب الاستقلالیہ  
فن تعلیم و تربیت کے کچھ اسباق

(۴)

مذہبی اور سیاسی تعلیم | اس وقت کل دنیا کے طلباء دو قسموں میں منقسم ہیں، ایک مذہبی تعلیم حاصل کرتا ہے اور دوسرا دنیوی تعلیم کے ذریعہ سے اپنے آپ کو متقدم شہری بنانا چاہتا ہے، اصولاً یہ دونوں مقصد نیک ہیں، لیکن مذہبی اور دنیوی تعلیم کا جو نظام اس وقت قائم ہے، اُس نے دنیا کی آنکھوں پر جہالت اُٹھائی، جو دور اور تعصب کے توہر تو پر دے ڈال دیے ہیں، مذہب، عقاید و اعمال کا مجموعہ ہے، لیکن ان میں بہت سے عقاید اور بہت سے اعمال ایسے ہیں جو بظاہر انسان کے دائرہ عقل سے خارج ہیں، اور وہ کسی طرح عقلی گرفت میں نہیں آتے، اہل علم طلباء کو ان عقاید و اعمال کی تعلیم دیتا ہے، اور جب وہ عقلی حیثیت سے رد و قدح کرنا چاہتے ہیں تو اس کو خود مذہبی تصریحات کے رُوسے ایک جرم قرار دیتا ہے،

دنیوی تعلیم کی باگ عموماً ارباب سیاست کے ہاتھ میں ہوتی ہے، یعنی جو لوگ تعلیم دیتے ہیں وہ بالذات یا بالواسطہ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں، اسلئے وہ اس تعلیم میں عموماً سلطنت کے اغراض و مقاصد کو خصوصیت کے ساتھ پیش نظر رکھتے ہیں اور طلباء کی حریت و استقلال کا بہت کم لحاظ کرتے ہیں، اگرچہ اس قسم کی جابرانہ تعلیم بعض اوقات بالکل برعکس نتائج پیدا کرتی ہے، یعنی طالب العلم جب دیکھتا ہے کہ ایک غیر معقول بات کو خواہ مخواہ جبراً بزور بازو منوایا جاتا ہے تو وہ اس کے تسلیم کرنے سے قدرتی طور پر ابا کرتا ہے، اور ہر ممکن طریقہ سے اپنی عقلی، مذہبی، اور سیاسی آزادی کو قائم رکھنا چاہتا ہے، لیکن اس قسم کے روشن خیال طلباء کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں میں ایک ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ

مسعود کی مجبوریت کا کل زمانہ ۸ یا ۹ سال کا ہونا چاہیے، اور اس میں اگر سلطان ابراہیم تین کی وہ سالہ قید کی مدت کم کریں تو سلطان مسعود کے عہد حکومت میں قلعہ مرجس ۹ سال ہوتی ہے اور یہ نظامی عہد ضعی کے قول کے مطابق ہے،

بحث کو فیصلہ کر نیکی لئے حکویہ فرض کرنا چاہئے کہ علی قلی خان والدہ اعستانی صاحب نے اور مسٹر بلانڈ Bland نے اپنی ۱۸۵۳ء کے ژورنال ایشیاٹک Journal of the Asiatic Society جلد ۲ صفحہ ۳۵۶ وغیرہ کے آرٹیکل میں اور صاحب مجمع الفصحاء نے نظامی کی کے اس جملہ میں کہ سلطان مسعود کے عہد حکومت میں مسعود سعد کے قید کا زمانہ ۸ سال کا تھا، لفظ "ہشت" کو غلطی سے "بست" پڑھا ہے، اور اسکے بعد انھوں نے یہ اضافہ کیا کہ مسعود سعد سلمان سلطان ابراہیم کے عہد حکومت میں ۱۲ سال اور کی سلطنت میں ۲۰ سال یعنی جملہ ۳۲ سال محبوس رہا، مگر بظاہر اس بات کا خیال سلطان مسعود کی سلطنت کی کل مدت ۱۷ سال سے زیادہ نہیں مونی، لہذا مسعود تین ۲۰ سال محبوس نہیں ہو سکتا، برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں چھ چار مقالے موجود ہیں ان میں اور ظہران کے مطبوعہ ایڈیشن میں لفظ "ہشت" بالکل صافی

## برگل

یعنی

شبلی مرحوم کے ان فارسی قصائد کا جو دیوان شبلی کے بعد لکھے گئے، نیز ان فارسی قصائد کے برگل اور بوسے گل لکھی گئیں اور کیقباد آغاز شباب کے ابتدائی فارسی کلام کا ل میں مطبع معارف سے شائع ہوا ہے قیمت ۴۰ ر



میں مجتہد، مصلح، اور ریفارمر کہیں صدیوں میں جا کر پیدا ہوتے ہیں، عام طور پر تمام طلباء اس قبول کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک میں متعصب، مقلد، اور تاریک خیال لوگوں کا غم غیور پیدا ہو جاتا ہے، اور چونکہ عام مذہبی جماعت اور حکومت کے ارباب حل و عقد اس گروہ کی راری میں مدد دیتے ہیں، اسلئے تمام ملک پر ان کا عام اثر قائم ہو جاتا ہے، اور اس نقائص کا نتیجہ ملین و مجددین کی آواز طوطی کی آواز بن جاتی ہے، اسلئے تعلیم مجددین و مصلحین کے صرف حسن کے طور پر پیدا کرتی ہے، جہاں تک اسباب و علل کا تعلق ہے، اس سے صرف وہی گروہ ہے جسکی عقل کا چراغ بج کر گل کر دیا جاتا ہے، لیکن طلباء کی آزادی اور روشن خیالی کو مت و اتفاق کے حوالے نہیں کیا جاسکتا، اسلئے خود اس نظام تعلیم کو تمام شک و خوں سے لے اساتذہ اور طلباء دونوں کو نقد و بحث کا موقع دینا چاہیئے، اور ابتداء ہی سے یہ کوشش کی جائے کہ جس مقلدانہ اجتماعی اثر نے طلباء کی مذہبی اور سیاسی آزادی کو کٹیہ سلب کر لیا ہے، اس سے محفوظ رہے، اور مذہب و سیاست کے متعلق جو تعلیم دی جائے وہ پہلے عقلی کسوٹی پر لگے۔

مدیر موجودہ نظام تعلیم نے بچوں کے لئے جو نصاب درس مقرر کیا ہے، وہ تمام متر حقائق و معنی ہے، معدنیات، نباتات، حیوانات وغیرہ کی ماہیت، انکے اوصاف و خواص سے اس نصاب کی چھوٹی سی چھوٹی کتاب بھی لبریز رہتی ہے، اور فخر یہ کہا جاتا ہے کہ بچہ کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ اس نے وہم و خیال کے گردن کی رگیں کاٹ دی ہیں، وماغ کو واقعیت اور اصلیت کا غور کر دیا ہے، لیکن کیا درحقیقت یہ حقائق طلباء کے لئے سموزون ہیں؟ طلباء کو سونے، چاندی کی حقیقت بتائی جاتی ہے، حالانکہ وہ درجہ مال ذاتی سے بالکل نا آشنا ہوتا ہے، اس کے سامنے لعل و گوہر کو نمایاں کیا جاتا ہے،

اور اسکی قدر و قیمت بیان کی جاتی ہے، حالانکہ وہ اس عمر میں جھوٹے موتیوں کی آب و تاب پر زیادہ فریفتہ ہوتا ہے، درس کے علاوہ قصص و حکایات کی جو کتابیں اسکی نظر سے گزرتی ہیں، انہیں بھی خصوصیت کے ساتھ وہی واقعے بیان کئے جاتے ہیں جو ہر قسم کے مبالغہ و غلو سے خالی ہیں، اور فخر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ناول اس واقعہ سے تعلق رکھتا ہے، جو ابھی حال میں ہوا ہے، لیکن ہکو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ عقل کی طرح وہم بھی انسان کی ایک قوت ہے، اور انسان نے آج تک جو اعمال جلیلہ انجام دیئے ہیں وہ زیادہ تر اسی قوت کی برکات میں شمار کئے جاتے ہیں، اسلئے ہکو اس قوت کے تغیر و نشو و نما کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے، قدیم زمانہ میں بھوت پریت، جن اور دیو وغیرہ کے افسانے عام طور پر زبان زد ہو گئے تھے، اور انکے متعلق کتابیں تصنیف ہو گئی تھیں، اس قسم کے بہت سے قصے ادب، لٹریچر اور تاریخ کی کتابوں میں بھی شامل کر لئے گئے تھے، اور طلباء خصوصیت کے ساتھ ان سے دلچسپی لیتے تھے،

ان قصوں میں کسی دیوی یا بھوت یا کسی بہادر آدمی کا پہاڑوں کو چور چور کر دینا، ہمسند کو تیر کر عبور کر جانا، بڑے بڑے میدانوں کو چند گھنٹوں میں طے کر لینا، غرضکہ اس قسم کی مافوق العادت کاموں کا انجام دنیا ایک معمولی بات خیال کیا جاتا تھا، قدیم زمانہ میں بہت لوگ ان باتوں کا یقین کرتے تھے، اور دلچسپی تو ہر شخص لیتا تھا، لیکن اب یہ عجائب پرستی اور وہم پرستی خیال کیجاتی ہے، اور جو شخص انکا اعادہ کرتا ہے وہ خود ایک تسخیر آمیز مضحکہ بن جاتا ہے، لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان غلطی ہے، عقلی ترقی کے ساتھ ہکو طلباء کی تعلیم و تربیت میں فضائل اخلاق کی نشو و نما کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیئے، اور یہ افسانہ اس پارینہ ہکو اس مقصد میں کامیاب بنا سکے ہیں، قوت، جرأت، بسالت، ہمت، شجاعت، صداقت اور وفاداری کے یہ مجسمے جن کو دیوی یا بھوت سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ خود اگرچہ ایک دہمی چیز ہیں، لیکن جن اخلاقی محاسن کے ساتھ



کیا گیا ہے، وہ ایک حقیقت ہے جنکا وجود صرف انہی کی ذات سے وابستہ ہے اسلئے  
کے جذبہ اخلاقی کی تحریک و نشوونما کا ذریعہ بن سکتے ہیں، اس بنا پر مصنف کی رائے کہ  
اقسام نے کم از کم زبانی تعلیم کے ذریعہ سے طلباء کو سنانے چاہئیں تاکہ ان میں بھی ان  
سن کی روح پیدا ہو سکے،

قدیم زمانے میں صرف استاد کی زبان ذریعہ تعلیم خیال کی جاتی تھی لیکن اب مدرن  
تراغات و ایجادات نے دورین، خردین، میجک لٹرن، تھیٹر، تصویر و نمائش غرض  
بزرگوں جو عالم کائنات کا مظہر بن سکتی ہے، وسائل تعلیم میں داخل کر دیا ہے،

ان فطرۃ مادہ پرست ہے، اسلئے اسلام کے سوا تمام دنیا کے رد سائے مذہب نے  
ت و عقاید کو بھی جو کمیسر روحانی ہیں، مادی شکل میں نمایاں کیا ہے، بتجانے، کلیسا،  
صہین خدا، فرشتہ، انبیاء وغیرہ کی تصویریں نمایاں لگائی ہیں، ایک مذہبی درس گاہ  
ی معلم ہیں جو انسان کو عقاید و اعمال کی تعلیم دیتی ہیں اور انکو ہمیشہ قائم رکھتی ہیں،  
اپنے تمام کلیات و جزئیات کے ساتھ انہی عبادت خانوں کی برکت سے قائم ہے،

عم کے معاہدے تالیف کو بھی حیات ابدی بخشی ہے، فتح و ظفر کی یادگار میں قدمائے  
مرا کرانی ہیں وہ میدان جنگ کے تمام واقعات کو زبان حال سے دنیا کو سناتے رہتے ہیں،  
جن اسرار و رموز کا مجموعہ ہے وہ اس قدر دقیق ہیں کہ کوئی مادی ہستی انکو پوری  
ساتھ منظر عام پر نہیں لاسکتی، لیکن با این ہمہ جب ان بے زبان تصویروں نے  
و تلقینات کو اپنی غیر سمیع آواز کے ذریعہ سے زندہ رکھا ہے، تو علوم و فنون کو جنکا  
ت سے تعلق رکھتا ہے، اس قسم کے وسائل سے دنیا کے سامنے نہایت ہی کلیائی  
نمایاں کیا جاسکتا ہے،

انسان جو کچھ سیکھتا ہے، وہ عالم بالا کے رموز و اسرار نہیں ہیں، بلکہ اس کے اجزاء و تمام  
عجائب خانوں میں، کتب خانوں میں، لیویریوں میں اور نباتات کے باغوں میں بکھرے ہوئے  
ہیں، علوم و فنون کیلئے جو ہیکل قائم کرنا ہو گا وہ انہی کے مجموعہ کا نام ہو گا، اور یہی مجمع العجائب  
کتابوں کے اوراق، اور علم و اساتذہ کے زبان و قلم سے زیادہ اشاعت تعلیم کر سکیگا، نہال شاہ  
بے شبہ ایک ایسی چیز ہے جو ان تمام چیزوں کا مجموعہ کہی جاسکتی ہے، اور آج کل مہذب  
مالک میں ان سے بہت کچھ تعلیمی نواید بھی حاصل کئے جاتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ ایک نئی  
چیز ہے جو مدرن میں ایک بار چند ہینڈل کے لئے مہیا کی ہے، پھر اسکا دروازہ مدرن کیلئے بند  
ہو جاتا ہے، گرہ ارض کے نقشوں نے بھی اگرچہ بہت کچھ زمین کے نشیب و فراز کو واضح کر دیا،  
لیکن اگر ایک کپڑے پر زمین کی تصویر بنائی جائے اور پھر اسکو روشنی کے ذریعہ سے واضح  
کیا جائے تو یہ بچوں کے لئے اور بھی زیادہ مفید اور دلچسپ ہو گا، بہت سے مصوروں نے خاص  
خاص ہنروں، خاص خاص پہاڑوں اور خاص خاص جنگوں کی تصویریں نہایت عزیز  
کھینچی ہیں، اور ان سے جغرافیہ کی تعلیم میں کام لیا جاسکتا ہے تھیٹر بھی بہت تاریخی واقعات کو  
محسوس شکل میں طلباء کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، میجک لٹرن سے بھی متعدد علمی رموز و اسرار کو  
واضح کیا جاسکتا ہے، چنانچہ لندن وغیرہ میں اس قسم کے معاہدے قائم ہیں، اور ان سے عام  
طور پر فائدہ اٹھایا جاتا ہے،

ذکورہ انات کی مشترکہ تعلیم اگر دو شخصوں میں باہم منافست و مسابقت قائم ہو جائے تو وہ دونوں کی  
ترقی کا ذریعہ ہوگی، آج عموماً تقریر و تحریر میں انعام دینے کا جو طریقہ قائم ہو گیا ہے وہ اسی  
اصول پر مبنی ہے، مرد اور عورت کی ذات میں قدرت نے فطرۃً اس قسم کی مسابقت کا سامان  
جمع کر دیا ہے، مرد کو عورت پر گونا گونا گون فضیلت حاصل ہے، اور عورت میں خداوند تعالیٰ نے



در رشک و حسد کا مادہ فطرہ پیدا کر دیا ہے، اسلئے اگر دونوں میں مسابقت پیدا  
فضائل و مناقب کے قائم رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کر لیا اور عورت  
کے قدم بقدم چلنے کے لئے ابھاری گئی، اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ترقی کا جو دھاگا  
بکھینچ رہے ہیں اسلئے دونوں سرے خود بخود بڑھ جائیں گے، اور فریقین کی ذات  
لے ساتھ ایک سطح پر قائم ہو جائیں گی،

نے اس اصول سے یہ عجیب و غریب نتیجہ نکالا ہے کہ اگر مرد اور عورت کو ایک  
ٹوا اس کا نتیجہ نسبتہ اس تعلیم سے بہتر ہوگا جو دونوں کو علیحدہ علیحدہ دی جاتی ہے،  
کے ساتھ وہ تجربات و مشاہدات سے بھی اسکی تائید کرتا ہے، چنانچہ لکھتا ہے کہ  
پچھلے دنوں گونگون اور بہرون کے مدرسہ کا معائنہ کیا، جسکے ابتدائی دو حصے تھے  
کے لئے دوسرا عورتوں کے لئے، لیکن تجربہ سے اس تقسیم کی غلطی ثابت ہوئی  
ان اپنے حصہ کی پابند نہیں وہ ہر کون سے تعلیم میں استفادہ کر چکے تھے گئیں کہ سال  
کا بیچیا معلوم ہوتا تھا، خود لڑکے بھی استفادہ کرتی یافتہ اور کامیاب نہ تھے،  
مدرسہ کو سوچی کہ دونوں فریق کو ایک ہال میں جمع کر کے تعلیم دیں، چنانچہ اسکا  
کیونکہ چند ہی دنوں میں ہر فریق میں جو کمی تھی وہ نکل گئی، اور ہر ایک  
رض ترقی کر گیا۔

یت سے بھی یہ معیت دونوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے، بچوں کا قاعدہ ہی  
کوئی عیب نظر آتا ہے تو علانیہ وہ اسکا اظہار کر دیتے ہیں، اور چونکہ یہ اظہار نیک  
اسلئے ان میں باہم شکر رنجی نہیں ہوتی، اس بنا پر مرد اور عورت میں جو مخصوص  
انکی اصلاح کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ دونوں کو ایک ساتھ تعلیم دی جائے

تاکہ ہر فریق دوسرے کے عیوب کا ازالہ کر سکے،

جو لوگ اس طریقہ تعلیم کے مخالف ہیں، انکا صرف یہ اعتراض ہے کہ اس قسم کا دیرپا اجتماع  
مرد اور عورت دونوں کے اخلاق و عادات پر مضرت ڈالے گا، لیکن مصنف لکھتا ہے کہ ہم دونوں کو  
سولنے کے کمرے میں جمع کرنا نہیں چاہتے، اسلئے ساتھ مدرسے کے مختلف کمرے، اسکا صحن،  
ریاضت جسمانی کے باقاعدہ طریقے ان تمام چیزوں کی ترتیب اس خوبی کے ساتھ قائم کی گئی ہے،  
جو اس قسم کے اخلاقی نتائج سے خود بخود محفوظ رکھ سکتی ہے بلکہ مصنف کو اس پر اس قدر اصرار ہے کہ اسلئے  
نزدیک خود یہ تفریق اور علیحدگی اس قسم کے بدترین اخلاقی نتائج کا ذریعہ ہو سکتی ہے، کیونکہ اسلئے  
نزدیک اس قسم کی احتیاط و محافظت جو ریا، نفاق اور شبہ پریشی ہوا انسان کو مختلف حیلوں سے  
بداخلاقی پر آمادہ کرتی ہے، اور اس قسم کی رکاوٹوں کو جو انوں کو رہے ہوئے جذبات کو ابھار دیتی ہے  
اسلئے اسکا علاج اسلئے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ سامنے سے یہ مادی پردے ہٹا دیے جائیں اور  
بیچ میں صرف حدود اللہ کی دیوار قائم کر دی جائے،

علی حیثیت سے عورتوں کو فنون لطیفہ مثلاً موسیقی، مصوری اور شاعری سے زیادہ مناسبت  
ہوتی ہے، اسلئے اس اجتماع سے مردوں کو انکے لطافت مذاق سے فائدہ اٹھانے کا موقع  
ملے گا، اور یہ قدریں غیر معمولی ترقی کر جائیں گی، لیکن اسکا مقصد یہ نہیں کہ مرد اور عورت تعلیم و تربیت کے  
محافظ سے ایک ہی سطح پر کھڑے کر دیئے جائیں، مرد اور عورت کے قواسم فطریہ مختلف ہیں، انکی  
تعلیم و تربیت کے اغراض مختلف ہیں، انکے خلقت کے مقاصد مختلف ہیں، اسلئے قدرتی طور پر  
انکا انصاف، اور انکا طریقہ تعلیم و تربیت مختلف ہوگا، لیکن با این ہمہ اختلاف بعض علوم و فنون  
میں جو دونوں کے ساتھ یکساں مناسبت رکھتے ہیں اسلئے اگر دونوں کو ان علوم کی مشترک تعلیم  
دی جائے تو دونوں کی قواسم ذہنیہ کے فعل و انفعالات سے ایک ایسا عمدہ نتیجہ نکلیگا جسکی



کی صورت میں امید نہیں کیجا سکتی،

سے عملی خدمت | اب یہ ضرورت عام طور پر محسوس ہو رہی ہے، کہ علاوہ تعلیم و تربیت کے سے کوئی عملی خدمت بھی لی جائے، انگلستان کے بعض مدارس میں دستور ہے کہ ایک طالب علم سے طالب العلم کی خدمت کرنے پر مجبور ہے اور خدمت کا دار مدار طلباء کے تنول و افلاس اور ست پر نہیں بلکہ علمی تقدم پر ہے، یہ ممکن ہے کہ ایک امیر کا لڑکا جو نیچے کے درجہ حاصل کر رہا ہو ایک فقیر کے لڑکے کی جو ادر کے درجہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہو خدمت کرے اس طریقہ میں صرف یہ عیب ہے کہ بعض اوقات یہ خادمانہ تعلق اخلاقی حیثیت سے فی حیثیت اختیار کر لیتا ہے یعنی مخدوم خادم کو اپنا ذاتی ملازم سمجھ کر اس سے ذلت اور ستم کا ہے، پھر جب خادم اپنے درجہ سے ترقی کر کے دوسرے طالب العلم کا مخدوم بن جاتا ہے تو اپنے قدیم مخدوم کی روش اختیار کر لیتا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں برائیاں اسی بدرجہ پھیلی ہیں۔

ایک مدرسہ کے منبر نے اس طریقہ کو اور بھی ترقی دی، اس نے مدرسہ کے تمام کاموں کو سیم کر دیا، اور جس طالب العلم کو جس کام سے فطری مناسبت تھی وہی اسکے سپرد کیا گئی خا کر وہ بھی تھے، باورچی بھی تھے، فراش بھی تھے، بہشتی بھی تھے اور سب کے پینے پینے و نہایت جوش و خلوص سے انجام دیتے تھے، اس طریقہ سے علاوہ اقتصادی فواید کے علمی اور اخلاقی فواید حاصل ہوتے تھے، انسان جب ایک کام سے گھر کر دوسرا ع کرتا ہے تو اسکی طبیعت خود بخود ہل جاتی ہے، اسلئے ان طلباء پر تعلیم جو دماغی بار ڈالنی آسکو ہلکا کر دیتے تھے،

اخلاقی حیثیت سے ان طلباء کے دل میں دنیا کے تمام چھوٹے چھوٹے کاموں کی عظمت

قائم ہوتی تھی کیونکہ انسان جس کام کو خود کرتا ہے اسکو ذلیل نہیں سمجھتا،

آج عموماً مساوات کا جو دعویٰ کیا جاتا ہے وہ درحقیقت خدع و نفاق پر مبنی ہے، ایک طالب العلم جب مدرسہ کے ملازمین کو دیکھتا ہے تو خود بخود اسکے دل میں یہ خیال مرکب ہو جاتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے کام طبقہ ادنیٰ سے تعلق رکھتے ہیں، عملی حیثیت سے اگرچہ اسکو یہ معلوم ہی کہ دنیا کا نظام تقسیم عمل پر قائم ہے، لیکن یہ نظریہ اسکے اس خیال کو مٹا نہیں سکتا، کیونکہ اسکو روز نظر آتا ہے کہ خادم آقا کے ساتھ برابر بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا، لیکن جب یہ خدمتیں خود طلباء پر تقسیم ہو جاتی ہیں تو ان کے دلوں میں اس قسم کا خیال نہیں پیدا ہو سکتا، اور ان میں باہم حقیقی مساوات قائم ہو جاتی ہے،

تعلیم کا مقصد | تعلیم کے دو مقصد ہیں، ایک یہ کہ نہایت خلوص کے ساتھ بغیر طلب مزد و اجرت ملک و قوم اور مذہب کی خدمت کی جائے، اور تمام لوگوں سے علانیہ بغیر اند زبان میں کہہ دیا جائے لا سئلہ علیہ امورا، مصنف نے اس مقصد کے متعلق ایک خط میں اپنے بیٹے کو حسب ذیل نصیحت کی ہے،

توہ کی خدمت کرو اور اُن سے شکریہ اور صلہ کی امید نہ رکھو، کیونکہ وہ اتنا سرمایہ نہیں رکھتی کہ تمہارا معاوضہ دے سکے، اسلئے کہ اسکے ہاتھ میں ملک کی دولت، خطابات، اور شہرت و عزت کے ذرائع نہیں ہیں، بلکہ وہ کبھی کبھی تمہاری نیک نیتی کا بھی انکار کرے گی، اسلئے تنگو صرف اپنے قوائے دماغی اور قوائے جسمانی پر بھروسہ کرنا ہوگا، لیکن اس کفران نعمت سے تنگو گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ انسان کی زندگی کا حقیقی مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ مقاماتِ عالیہ تک پہنچ جائے بلکہ اصلی مسئلہ زندگی یہ ہے کہ انسان جس درجہ تک ترقی کر چکا اس سے بلند تر ہو جائے،



دوسرے مقصد کے متعلق مصنف نے جو وصایا کئے ہیں انکو اس زمانہ کے پرستارانِ مناصب کو  
 فوراً سنا چاہیے، وہ اپنے بیٹے کو لکھتا ہے:

”تم اپنے میلانِ طبع کے لحاظ سے طیب یا ذلیل یا انجینیر یا صنعت یا جو کچھ چاہو بنو لیکن  
 گو خدا کی قسم سلطنت کے عہدہ دار بننے کی کوشش نہ کرو،

جس قوم کے نوجوان ملکی عہدے کی جہانک تاک میں مصروف ہوں اسکو آزادی کی کیا  
 توقع ہو سکتی ہے؟ قدیم زمانہ میں حکام کا ظلم ایک نہایت مشکل فن تھا جسکی تعلیم کیلئے ایک خاص  
 استعداد کی ضرورت تھی، لیکن اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود رعایا نے حکام کے جبر و استبداد کا  
 رخص اپنے ذمہ لے لیا ہے کیونکہ وہ غلامی کا طوق بشوق اپنے گلے میں ڈال رہی ہے پس  
 بادشاہ اپنے تخت کے گرد اس قسم کے اطاعت گذار عہدہ دار اور اس قسم کی طمع و حرص  
 کتے کی طرح صرف ہڈی چوڑنا جانتی ہے پانگہ تو جب تک اسکے پاس روپیہ ہی بدیع  
 مان چاہیگا تقسیم کریگا، اور عہدے، خطابات اور وظائف جسکو چاہیگا دیگا،

ملکی عہدے اس زمانہ میں قوم کی سب سے بڑی مصیبت ہیں، کیونکہ جن ممالک کے اعلیٰ عہدہ داران  
 سلطنت کو ملکی عہدے کی تقسیم کا اختیار حاصل ہوگا، انہیں پبلک رائے صرف اس حسابی  
 ل کا نتیجہ ہوگی جو سلطنت بطور فائدہ کے ملک کو پہنچا سکتی ہے، اگر حاکم کوئی سیاسی یا مذہبی  
 ملی کریگا اور اس سے حساب کے بعد اسکے حامیوں کو مثلاً دس ہزار روپیہ کا فائدہ پہنچ سیکے گا تو  
 وقت یہ رائے صحیح تسلیم کیا جائیگی، لیکن اگر اس نے اس سے بھی زیادہ پاجیانہ حرکت کی لیکن  
 اس رقم کا دونا دیا تو کہا جائیگا کہ اس نے بڑی ہمت مردانہ کام کیا، اسکے ساتھ خلوص  
 کرنا چاہیے،

لوگ پبلک رائے کا اکثر تذکرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہی ایک ایسی چیز ہے جو

حق اور آزادی کی کفیل ہے، لیکن یہ اسوقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب قوم کے تمام معاملات کی  
 باگ قوم ہی کے ہاتھ میں ہو اور وہی ان کا انتظام کرے، لیکن حالت اگر اسکے برعکس ہو  
 تو خود پبلک رائے استبداد کا آلہ بن سکتی ہے، کیونکہ قوم کو ظلم کے خوگر کرنے کا کامیاب ذریعہ یہ ہے کہ اسکے  
 افراد سے خود داری کا جذبہ فنا کر دیا جائے اور سلطنت کی محبت میں آزادی اور استقلال کی  
 روح کا گلا گھونٹ دیا جائے،

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عہدہ داران حکومت کی تعداد قوم کے مقابل میں نہایت کم ہوتی ہے  
 تو میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض لغو ہے، کیونکہ معترض اس نکتہ کو بھول گیا ہے کہ ہر عہدہ دار کے مقابل  
 میں ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو اس عہدہ کے امیدوار ہیں، اسلئے عہدہ داران کی دنیا کے  
 مقابل میں ایک اور دنیا آباد ہے، اور جو طلباء صرف اس غرض سے تعلیم حاصل کرتے ہیں  
 انکی تعداد اسپرستزاد ہے، انسانوں کو آزادی اسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک  
 لوگ اس کے لئے بالقصد جدوجہد نہ کریں، لیکن جب قوم میں عہدہ داران کا  
 ایک ایسا گروہ موجود ہے جو سلطنت کا مرغ دست پرور ہے، اور اسی کے مقابل میں ایک  
 گروہ اسکی اس حالت پر رشک کر رہا ہے تو کون سی چیز انکو اس طوق درنجیر کے کاٹنے پر  
 آمادہ کر سکتی ہے،

میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ ملکی عہدوں کے لئے اپنے آپکو ذلیل کرنا لازمی اور ضروری ہے  
 کیونکہ آزاد حکومتوں مثلاً (امریکہ) میں عہدے فضائل اخلاق کو اور بھی نشوونما دیتے ہیں  
 اسلئے کہ خود قوم کو انکے انتخاب کا حق حاصل ہوتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں جمہوری  
 حکومتوں کے متعلق گفتگو نہیں کرتا، میرا دوسرا سخن ان حکومتوں کی طرف ہی جو درغایت  
 اور ہوا پرستی کی بنا پر عہدوں کو تقسیم کرتی ہیں، اسلئے اس حکومت کے نوجوان طرح



# بَابُ الْفَيْضِ وَالْإِنْفَا

## اکبر کا سنجیدہ کلام

(۲)

از مولانا عبدالسلام ندوی

تصوف | تصوف و فلسفہ دونوں کا مقصد ایک ہے، دونوں اسرار کائنات کی عقدہ کشائی کرنا چاہتے ہیں، با این ہمہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے؛ فلسفہ ذوق سے نہیں بلکہ دلیل سے ہر بات کو ثابت کرتا ہے، اور تصوف وجدان سے، فلسفی کو عقل تو آجاتی ہے، لیکن اس عمل تحلیل میں اس پر کوئی خاص کیفیت طاری نہیں ہوتی، لیکن صوفی جب اسرار کائنات کی ایک گرہ کھول لیتا ہے تو جھوٹے لگتا ہے،

عالم فطرت پر ہی سیری نظر بھی اسے حکیم  
فرق یہ ہی تجھ کو عقل آئی مجھے حال گیا

فلسفی کی عقل ہمیشہ محتاج دلیل رہتی ہے، لیکن صوفی عالم کی ہر چیز کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ وہ مظہر خدا ہے، اسلئے وہ نظام عالم سے براہ راست تعلق رکھتا ہے اور فلسفی بالواسطہ اور بالذات اور بالعرض میں ضعف اور قوت کے لحاظ سے جو فرق ہے وہ ظاہر ہے،

انہیں ہی عقل جو محتاج غیر ہے ہر دم  
مجھے ہی عشق کہ جو خود ہے مدعا میرا

فطرت ہمیشہ عشق الہی کی طرف مائل کرتی رہتی ہے، لیکن اسکی صلاحیت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے، اسلئے وہ ان اشاروں کو نہیں سمجھتے،

ہم یا ان پھری باد بہاری مایوس  
ایک سر بھی اُسے آمادہ سودا نہ ملا

خدا کے دیدار سے انسان کو جو مدارج عالیہ حاصل ہو سکتے ہیں وہ تو عقل ہی میں نہیں آ سکتے

کی ذلیل کو ششون سے ہمدے حاصل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اس قسم کی حکومتیں صرف بے انتخاص کی جستجو کرتی ہیں جو مطیع و منقاد ہوں اور اس ہمدے کی تمام پابندیوں کو اپنا پر لازم کر لیں، میں بعض اوقات جی ہی جی میں یہ کہتا ہوں کہ قوم کا یہ ظلم ہے کہ وہ ہم کو استبداد و استبداد پر ملامت کرتی ہے، جبکہ اس نے خود اپنی باگ حکام کے میں دیدی ہے، تو اس ملامت کے کیا معنی ہیں؛ باپ بیٹے کے لئے دوسرے بیع معاش کے بجائے بیش قرار تنخواہ کا عمدہ ڈھونڈھتا ہے، بلکہ کل قوم سلطنت کی رہنما پسند کرتی ہے، پھر جب وہ خود خاک راہ بن رہی ہے تو اسکو کیا حق حاصل ہے،

یہ سچ ہے کہ بے شمار ملکی ہمدون میں کسی ہمدے کا حاصل کر لینا اس سے زیادہ ن ہے کہ خود اپنی اہمیت اور قابلیت کے ذریعہ سے معاش کا کوئی دوسرا دروازہ جاسے، یہی وجہ ہے کہ جو قومیں حکومت کے خوان کرم کی زلہ ربائی کرتی ہیں، اختراع اور ایجاد کا مادہ مفقود ہو جاتا ہے، ان میں صنعت و حرفت، زراعت اور تجارت فروغ پا سکتی ہے، دولت امرا کی جیب سے نہیں نکلتی، تجارتی کاروبار جنگی تائید نہیں کرتی اسکو دو بھر معلوم ہوتے ہیں، آزاد صنعتیں بادشاہ کے گرد چکر دہاتی ہیں کہ مبادا لگا لطف اُن پر بھی پڑ جائے، لغت اور علوم و فنون کل کے باہمی طاقت سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور حکومت کی نمکوازی خوشامدیوں کی فرج گران طیار کر دیتی ہے۔

عبدالسلام ندوی



طلب بھی کمالات انسانی میں ایک اعلیٰ درجہ کا کمال ہے،

رسی ہوا جو طالب دیدار ہوا پھر وہ کیا ہوگا کہ جس نے تمہیں دیکھا ہوگا  
کا کام صرف راستہ دکھانا ہے، اس پر چلنا سالک کا فرض ہے، لیکن اگر اس کے  
دال سے ذرہ برابر بھی ڈگمگائے تو وہ یقیناً گمراہ ہوگا، اسلئے سالک راہ بھی دکھا سکتا  
لکھا ہے، قرآن مجید سے بڑھ کر کون مرشد ہوگا لیکن وہ بھی بعض کج فہم لوگوں کو گمراہ

م تر ساقی اک جام پلا دینا یادہ کو بھلا دینا یا میں کو مٹا دینا

ذات کے متعلق فرق مختلفہ میں جو نزاع قائم ہے وہ صرف نزاع لفظی ہے،

ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہی سپنا

نی ساز و سامان، اور جاہ و شہم کی کثرت میں گم ہو جاتا ہے، صرف سادہ فطرتی

ظہر بن سکتی ہے، اس عالم میں بوریائے فقر تحت شاہی پر بہاری ہے،

لو نظر صالح عالم کی جہلک سامنے کچھ نہ رکھ آئینہ فطرت کے سوا

خیالات میں اس وقت تک جوش و رنگینی نہیں پیدا ہو سکتی جب تک انسان کا

ی نہ ہو،

میں ہی ترے حسن و جمال کا عالم ہے شیفہ مرے رنگ خیال کا

کا ایک نامکمل عکس ہے، لیکن با این ہمہ کس قدر دلفریب ہے، پھر جب اس کے

ل ہے تو اس کا وجود حقیقی کس قدر ہوشربا ہوگا،

عکسِ ناتمام یہ عالم کو جذب ہے کیا پوچھنا ہی آپ کے حسن و جمال کا

میں چونکہ بہ کثرت مقامات آتے ہیں اور سب کے سب منزل مقصود سے مشابہ

ہوتے ہیں اسلئے سالک اکثر دھوکا کھاتا رہتا ہے کہ کہیں یہی وہ نقطہ تو نہیں جہاں پر کار کو  
قدم جما دینا چاہیئے،

وہ شنادر ہون جو ہر مہج کو ساحل سمجھا وہ مسافر ہون جو ہر گام کو منزل سمجھا

ہر شخص کو ایک رہنما کی ضرورت ہے لیکن عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح رہنماؤں کی

پرستش کرنا حماقت ہے، رہنما کو صرف منزل مقصود تک پہنچانے کا ذریعہ بنانا چاہیئے،

وہ بھی نا فہم ہے جو خضر کا طالب نہوا وہ بھی نادان ہے جو خضر کو منزل سمجھا

نظامِ عالم کی فلسفیانہ جستجو اکثر نور عرفان کے چراغ کو گل کر دیتی ہے، اور انسان کا ذوق

صحیح بیکار ہو جاتا ہے،

نور عرفان عقل کے پردے میں نہ پائی ہو گیا ہوش میں آنا حجابِ رو جانان ہو گیا

دل اگرچہ صرف ایک مضغہ گوشت ہے، لیکن جب تجلیاتِ الٰہی سے لبریز ہو کر ابال

کھانے لگتا ہے تو دریاے معانی بن جاتا ہے،

صورتِ ظاہر میں لال اک قطرہ خون تھا نقطہ آگیا جب جوش میں معنی کا طوفان ہو گیا

انسان کو راہِ سلوک میں ہزار نا کامیاں ہوں لیکن اس سے الگ نہیں ہونا چاہئے،

یڑجائے آتے جاتے شاید نگاہِ سلطان جو راہ سے الگ ہے افسوس اس گدا پر

خدا کا جلوہ صرف مراقبہ و محاسبہ سے نظر آتا ہے بحث و جدال اس آئینہ کو نہیں دکھا سکتے،

خوشی میں جمال شاید معنی نظر آیا عبت اُجھے رہے لفظوں میں ہم محبتان ہو کر

فلسفہ انسان کے قلب کو بھلا نہیں دیکھتا، یہ آئینہ پر دازی صرف تصوف کا کام ہے،

دلیلِ فلسفہ کو نورِ باطن کو نہیں سکتیں کواکب کی شاعینِ رات کو دن کو نہیں سکتیں

خدا کی حقیقت کو بیان نہیں کرنا چاہیئے لوگوں کی عقلیں اس کے فہم و ادراک سے قاصر ہیں



الحسن بت دلخواہ نہ ہو فہم قاصر ہون خلقت کین گمراہ ہو

مسئلہ توحید لفظاً ہر ایک نہایت صاف مسئلہ ہے لیکن با این ہمہ اس قدر نازک ہی کہ  
اسے سوا آج تک تمام مذاہب نے اس میں غلطیاں کیں، صوفیہ کرام کی قیود اور شرائط نے  
ی نازک بنا دیا ہے اسلئے سالک کا موحد رہنا درحقیقت ایک نہایت دشوار کام ہے  
ملک کو مہ تیغ ہے قطع رہ توحید دو ہو گیا اک آن میں چو کا جو را بھی

ملوک میں سالک جب چند مقامات طے کر لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ منزل مقصود پر  
ن درحقیقت ان مقامات کے آگے اس کثرت سے دوسرے مقامات ہیں کہ انکی  
طے شدہ راہ گویا مسافر کا پہلا قدم ہے اسلئے جسکو وہ خبر سمجھتا تھا وہ درحقیقت بدلتی  
کتاب حقیقت کرے کون ختم کہ ہر اک خبر مبتدا ہو گئی

ملوک میں خودی خود بخود بٹ جاتی ہے جس طرح نقش قدم مسافر کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں  
نیت بھی ادل قدم میں جدا ہو جاتی ہے

رہ معرفت میں جو رکھا قدم خودی بھی بس اک نقش پا ہو گئی  
ظاہر کے نزدیک عبادات کا مقصد جنت ہے لیکن اہل باطن خدا کا نام صرف

اشارے دعا ہوں نہ ماسوا کیلئے پکاریے جو خدا کو تو بس خدا کیلئے

ملوک میں انسان کو ہمیشہ سرگشتہ رہنا چاہیے اگر خدا کو ملنا ہے تو خود بخود مل جائیگا  
مرمری راہ تو بس راہ جنوں ہے منزل کو غرض ہو تو خود اس راہ پر آئے

ک صرف سکر مانتے ہیں اسکو دیکھا کسی نے بھی نہیں

دیکھا نہیں کسی نے اس یار نازنین کو لیکن سنایا ہی ہے بے انتہا حسن ہے  
مذہب یا تصوف جذبہ کا نام ہے عقل کا نہیں اسلئے خدا خانہ دل میں آجاتا ہے لیکن  
دماغ میں نہیں آتا اور یہی اسکی علامت ہے

تو دل میں تو آتا ہی سمجھ میں نہیں آتا بس جان گیا میں تم ہی پہچان ہی ہے  
ذہن میرا وہ تیاست کہ دو عالم کو محیط آپ ایسے کہ مرے ذہن میں آ ہی سکے  
امرا کو نور عرفان حاصل نہیں ہو سکتا چاندی اور سونے کے سکون میں یہ عمل شب چراغ  
گم ہو جاتا ہے یہ دولت جاوید صرف شکستہ حال لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے

دل شکستہ میں رہتا ہی بادۂ عرفان سنایا میں نے کہ شیشہ چوہی اچھا  
راہ سلوک میں مقامات مختلفہ کا ظہور مختلف کیفیات میں ہوتا ہے

سرور دلدرد و جدو حال ہو جائیگا سب پیدا کر لازم ہی پہلے تیرے دل میں ہو مطلب پیدا  
برم تصوف میں عقل سر اسر گمراہی اور مدہوشی عین ہدایت و ارشاد ہے

برم میں ایماے چشم ساتی نی نوش ہے وہ ہبک جلیںکے فطرے میں جسکو ہوش ہے  
جوش عشق الہی میں خودی کو بالکل مٹا دینا چاہیئے منصور سولی پر صرف اسلئے لٹکا یا گیا کہ

ایمن اسقدر انانیت باقی تھی کہ اس نے حق کے ساتھ انا کو بھی ملا دیا

حضرت منصور انا بھی کچھ رہے ہیں جس کے ساتھ دار تک لکلیف فرمایا میں جب اتنا ہوش ہے  
لوگ خدا کی رحمت کے خواستگار ہوتے ہیں لیکن اپنے دل کو نہیں ٹٹولتے کہ اس میں اس کے

قبول کر نیکی استعداد و صلاحیت بھی ہے یا نہیں؟

نہ جوتی ہی زمین تم نے نہ تینے بیج بوئے ہیں یہ کیا معنی کہ ہرے بارش بر کرم پہلے

مذہب یہ مسلم ہے کہ تعلیم جدید انسان کے دل میں مذہبی جذبات نہیں پیدا کر سکتی قدیم تعلیم



انسان کے دل میں مذہب کا ادب و احترام پیدا ہوتا ہے، اور اسلئے یہ خیال کیا جاسکتا ہے  
 احساسات پیدا کرتا ہے اور انکو ترقی دیتا ہے۔ لیکن درحقیقت علم کا تعلق دماغ سے  
 دل یعنی جذبات سے ہے، اسلئے ایک دوسرے کی علت نہیں ہو سکتا، اگر قدیم  
 انسان مذہبی آدمی بن جاتا ہے تو اسکی یہ وجہ نہیں ہے کہ شرح مواقف اور شرح وقایع نے  
 مبنیادیا ہے بلکہ اسکا حقیقی سبب اساتذہ کا فیض تربیت ہے، لیکن چونکہ دونوں کا  
 ساتھ پڑتا ہے اسلئے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعلیم کا فیض ہے،  
 کتابوں سے نہ کالج کے ہے دوسرے پیدا دین ہوتا ہی بزرگوں کی نظر سے پیدا  
 کا نتیجہ یہ ہے کہ فلسفہ اسرار کائنات کی نقاب کے ایک ایک تار کو اُدھیرا کر سکتا ہے  
 ان کے دل میں مذہبی جوش، مذہبی دلورہ اور مذہبی کیفیت نہیں پیدا کر سکتا، مرغ سحر  
 ہی فطرت کی روح سرائی میں نغمہ سنج ہو لیکن وہ نماز سحر کے لئے انسان کا ہاتھ پکڑ کر  
 سکتی،

ساکرین سے ای مخوینچر خوش نامعنی صدائیں مرغ کی کارمودن کہ نہیں سکتی  
 ہے کہ آج اگرچہ علم اپنے معراج کمال کو پہنچ گیا ہے لیکن مذہبی اثر دونوں سے بالکل اٹھ گیا ہے اسلئے  
 ایک لچر کی ضرورت ہوتی ہے ہر بات پر کام مطلق اب نہیں چلتا معاذ اللہ  
 انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسلئے وہ اسکے کرنے پر مجبور ہی قرآن مجید میں  
 نہ کچھ دیر کیلئے جہنم میں داخل ہوگا ان منکھ الادرہا ایک شخص ایک گناہ کرتا ہے  
 ہے کہ وہ گناہ سے بری ہے لیکن اگر وہ خود اپنی حالت پر غور کرتا تو اسکو معلوم  
 س سے کسی نہ کسی صورت میں گناہ سرزد ہوتے ہیں،  
 فطرت کا کرتا ہی کہیں اے ہمیشہ شیخ صاحب کو بھی آخر کار شب کرنا پڑا رہی

# انار علیہ السلام

نامہ حالی

بنام مولانا بشلی مرحوم

مولانا دمتگانا بوسے گل رسید و باین بیت حافظ مترنم ساخت

بوسے خوش تو ہر کہ ز باد صبا شنید از بار آشنا خبر آشنا شنید

بوسے گل بانہ سبہ دستہ گل ستار تر شدہ ام ہانا قال انگ حال وہ ایدیا خود حال در لباس قال طوبہ گرساختہ اید

رق الزجاج و رقت الخمر فلتاہا و تشاکل الاہم

فکانما خمر و لا فتنہ دکانما قہر و لا خمر

میدانید کہ از خصوصیات کلام خواجہ یکے این است کہ از کرامت مینش قاری مادل طول نمی شود  
 چنانکہ خود فرمودہ است شعر، یک حرف بیش نیست غم عشق دین عجب کہ ہر کسے کہ می شنوم نامکراست  
 الحق بے شائبہ تصنع میگویم کہ این خاصیت در غزلیات جدیدہ سانی انچنان ظاہر و آشکار است کہ انکار آن  
 بہ بداہت باطل است و این خاصیت میسر نمیشود مگر در کلام کسی کہ می گوید ہر چہ می گذرد و می نماید ہر چہ  
 می بیند، چند بیات کہ ہنگام مطالعہ در دل بیش خلیدہ است در نیجائی نویسم،

رہ و آئین تقوی نیز بد نیست اگر کارے نباشد می توان کرد

چونہا با حریفان بر نیامد حیا را خواند و بر خود پاسبان کرد

بسکہ در دین از اندازہ درمان بگذشت چارہ گر با من بیچارہ چہ ساز و چہ کند

بسکہ از مستی چشم تو جهان شد بدست محاسب بے خبر از خانہ رخسار گذشت

شاعری از من مجھ دور از سواد زبانی حالیا بشلی شدم و بند غزلخوان نیستم در اندازہ شاعری



# ادبیات

کلام شبلی  
غیر مطبوع

(از بیاض دہلوی معین الدین ندوی)

نائب این غلغلہ در کوچہ و بازار افتاد کہ فلان مئی زد و یزد شد و ستر افتاد  
ن از صومعہ و اہل ورع چند کنی کہ مرا کار باک چشم قدح خوار افتاد  
کہ غارتگر حسن تو جهان بر ہم زد یوسف از خانہ بدر جست بہ بازار افتاد  
بب گر نگہ مست تو افتد بر من بادہ بیرون فتد از جام چو ستر افتاد  
ہم زغبان نتوان داشت طمع کہ مرا کار باکین طائفہ بسیار افتاد  
بب از پی و جمع ز حریفان ہمین شبلیا رندی ہنسان تو دشوار افتاد

## سخن حبیب

غزل جناب مولانا حبیب الرحمن خان شروائی تخلص حسرت

چراغِ روئے ترا شمع گشتہ پروانہ

بد و چشم تو مست و خراب میخانہ بندوق لعل تو سرگرم دور پیما نہ  
نثار صبح بنا گوش گوہر پر دین فروغ شمع ترا شب چراغ پروانہ  
نگاہ ہر بحال ز دیدہ مخمور چنانکہ جرعه بستی رہی ز پیما نہ  
بہ پیش ماہ تو پروین چو قصہ پارسین بہ پیش زلف سیاہ تو شب چو افسانہ  
نثار مقدم جان بخش باد تقدیر وان کہ می رسد بچہ انداز ناز جانانہ

نگاہ شوق بحشمت سہ بدان ماند  
ز لطف پاکی گوہر بجان صفا بخشد  
خوشاد میکہ سپای تو مست عشوہ من  
چو آشنا نگہ کرد یار بر حال م  
دل ز صحبت گیسو پرفت ہشیار

کہ مست ناز خرامد بستی بہ تیخانہ  
ہزار گوہر جانم فدائے دردانہ  
ز فرط درد جد بگرم بگردستانہ  
ز فرط ذوق بگشتم ز خویش بیگانہ  
ز چشم مست تو حسرت شدہ آ دیوانہ

## بیان اثر

بیر اثر دہلوی کا غیر مطبوعہ کلام

دیکھتے تو سہی کہ کیا ہوتا ایک نالہ اثر کیا ہوتا  
چھوٹے ہی یہ بد معاملگی پہلے دل کو تو لے لیا ہوتا  
اب توقع کسے بہلائی کی دل ہوتا تو کچھ بہلا ہوتا  
جاننا قدر کچھ ہماری بھی تو بھی عاشق اگر ہوا ہوتا  
بیوفائی پہ تیری جی ہی فدا تیر ہوتا جو با وفا ہوتا  
کچھ اثر کا علاج کرتے ہم رات کی رات گرجیا ہوتا

## عرض سجاد

از سجاد انصاری بی۔ اے

ہے اتقنا سے درد کہ شورِ فغان ہے اور عشق کا یہ حکم کہ دردِ نہان رہے  
بر باد ہو گیا دلِ حسرت طلب مگر ہم یون ہی صرف کشمکشِ امتحان رہے  
دلکش ہے کس قدر لب خاموش مدعا وہ محو سحر کاری حسن بیان رہے



## مطبوعات جدیدہ

تخیلات المان، اہل عرب صلیبی جنگ کے زمانہ سے جرمن کو المان کہتے ہیں اسی کی تقلید موجودہ مصر اور ترکی میں کیجاتی ہے جرمنی زبان کی وہ انقلاب انگیز کتاب جو موجودہ جنگ سے چند برس پہلے ۱۹۱۱ء میں جنرل ایف فان برن ہارڈی کے قلم سے جرمنی اور آئندہ جنگ کے عنوان سے نکلی تھی، تخیلات المان کے نام سے ہمارے دوست مسٹر عبدالقوی بی، اے نے اسکو اردو میں منتقل کیا ہے، زیر نظر نسخہ طبع ثانی ہے ایک سال کے اندر اردو میں کسی کتاب کا دوبارہ شائع ہونا اسکی بقویت کی کافی ضمانت ہے،

جنرل فان برن ہارڈی کی وہ عجیب و غریب پیشینگوئیان جو اس جنگ میں حرف بحرف پوری ہوئیں، نہایت حیرتناک ہیں، جنگ کے فلسفہ پر اور دنیا کے لئے اسکی ضرورت جو باب ہے وہ ہر مسلمان کے پڑھنے کے لائق ہے کہ اس سے غزوات اسلامیہ کی حقیقت ظاہر کی، ترجمہ نہایت کامیابی کے ساتھ انجام پایا ہے، کہیں کہیں عبارت میں پیچیدگی یا بیان میں تردید کی ہے وہ ترجمہ کا فطری حق ہے تاہم طبع اول سے زبان اور طرز ادا نہایت صاف اور سہل الفہم ہی، پتہ: آسی پریس، محمود نگر لکھنؤ قیمت: ۴۴

لمعات انوار محمدیہ، ۶۴ صفحہ کا ایک رسالہ جو مجلس اشاعت اسلام احمدیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوا ہے، اس رسالہ میں مختلف یورپین اور ہندوستانی اہل قلم کے مضامین انحضرت صلیم کے مدائح اور خصائص میں یکجا کئے گئے ہیں، مضامین گو محققانہ نہیں لیکن موثر ضرور ہیں، پتہ: اشاعت اسلام بک ڈپو، عزیز منزل، نولکھا، لاہور قیمت: ۶۴

النخل، سید راحت حسین صاحب بی اے ال ال بی ہمارے ان نوجوان تعلیم یافتوں

نی کی میکشی بھی تصوف کا راز ہے  
راہ جانیں وہ گلہ ہاے دراز ہے  
یاس رازداری الفت کا امتحان  
محمور چشم یار سے سب بگمان ہے  
اے درو او لفریبی صد داستان ہے  
وہ میری ضبط آہ سے گرد بگمان ہے

تھا تنگ نظر مگر خیال مجنون  
تعبیر حیات کس سے پوچھیں جاگر  
ہے تو نگاہ شوق کو بھی آخر  
صحرا میں بھی صرف رو لیلادیکھا  
اتنا بھی تو یاد ہو کہ کیا کیا دیکھا  
خارہ عالم تنہا دیکھا  
پیدا ہوئی کبھی تمنا دل میں  
ما یوس نظر سے ہر تماشا دیکھا

## فریاد اکبر

تابع ہوں ہادیان طریق ثواب کا  
اسکے خلاف اپنی بختیں میں نا دیرت  
لیکن طلب کرونگا خدا کی پناہ کو  
فرمایئے چراغ کو دیکھوں کہ راہ کو

ن کو ہادیوں کے بے انتہا جھوٹا  
ظہ نا امید ہی ہر گام، قعر کلفت  
یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا چھوڑا  
راہ و فاسے لیکن اکبر نے منہ نہ موڑا

تھی تھی سٹ چکی ہوئے عقل میری جان  
ارادہ اٹکا دماغ میرا خیال انگازبان میری

تھے جو رنج و راحت اس کے ہاتھوں چو گئے  
اب یاس گرے دیتی ہے ریل کے سہارے گئے



فون نے انگریزی تعلیم کے بعد اپنی مادری زبان کے حق کو فراموش نہیں کیا، انجمن  
لی طرف سے "القرآن" کا ایک متفقانہ رسالہ شائع ہو چکا ہے، انجل چھوٹی تقطیع پر  
رسالہ لکھا ہے جس میں شہد کی مکسوں کے حالات اور خصائص بہ تحقیق لکھے ہیں  
کو پڑھ کر صنعت الہی کے وہ عجیب اسرار جو دنیا کے ذرہ ذرہ میں پوشیدہ ہیں انکا  
ہاں تصور ہوتا ہے، طرز ادا اہل اور روان ہے، طبع و کاغذ اعلیٰ قیمت ۱۰  
ہے چھپرہ ضلع سارن محلہ دھیادان کے پتہ سے طلب کیجئے،

مذہبیت، مانج ستلہ سے اس نام کا ایک ماہوار رسالہ لاہور سے نکلنا  
ہے، رسالہ کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے، اس قسم کے رسالوں کی ملک کو  
ہے لیکن معیار کی بلندی اس سے زیادہ ضروری ہے، قیمت سالانہ ۱۰  
راکرا مت حسین، کسی شخص کے اصلی اور غیر مصنوعی حالات جاننے کا ذریعہ  
اسکی شخصی ملاقات کے واردات اور تذکرے ہیں، جنکو عربی و فارسی میں مجالس  
دہری محمد علی صاحب دہوی نے یادگار کرا مت حسین لکھی، جسکو ہم مجالس کرا مت حسین  
چودہری صاحب کا طرز تحریر خاص اسلوب رکھتا ہے، ایک فلسفی کی زندگی اور  
دلی کا جو نقشہ انکے قلم نے ذاتی واردات و مشاہدات کے رنگ سے کھینچا ہے وہ  
اور موثر ہے، ابتدا میں جناب راجہ صاحب محمود آباد کا مقدمہ تعارف ہے  
ب سے ردولی کے پتہ سے بلا قیمت رسالہ ملیگا،

مجلد دوم

ماہ شوال ۱۳۳۵ھ مطابق اگست ۱۹۱۶ء

عدد دوم

## مضامین

- |     |                     |       |
|-----|---------------------|-------|
| (۱) | شذرات               | ۲-۲   |
| (۲) | اہل السنۃ و الجماعہ | ۱۶ ۵  |
| (۳) | شاہ ولی اللہ دہلوی  | ۲۳ ۱۶ |
| (۴) | عربی منطق کی تاریخ  | ۳۲ ۲۴ |
| (۵) | اسلامی تیم خانے     | ۳۹ ۳۳ |
| (۶) | اخبار نویسی         | ۵۰ ۴۰ |
| (۷) | ادبیات              | ۵۲ ۵۱ |
| (۸) | مطبوعات جدیدہ       | ۵۶ ۵۳ |

سمیعہ الفارسی

مولانا عبد السلام ندوی

سید عین الدین غوری

موازنہ انیس و پیر، مولانا شبلی مرحوم کی تصنیف ایک مدت سے ناپید تھی شائقین  
بار بار درخواستیں بھیجیں لیکن تعمیل نہ ہو سکی، اب بڑی شکل سے اس کے کچھ نسخے ہاتھ آئے ہیں جو خط  
عمدہ طبع اول، قیمت ہے (۳)

برگ گل، یعنی مولانا شبلی مرحوم کے ان فارسی قصائد کا جو دیوان شبلی کے بعد لکھے گئے، نیز  
ان فارسی غزلوں کا جو بعد دستہ گل اور برس گل لکھی گئیں، اور کچھ آغاز شباب کے ابتدائی  
فارسی کلام کا مجموعہ ابھی حال میں مطبع معارف سے شائع ہوا ہے، قیمت ۱۰



## مضامین

۵-۲	(۱) شذرات
۱۶-۶	(۲) اہل السنۃ والجماعہ
۲۳-۱۷	(۳) جدیدیت اور عربی اصطلاحات
۳۲-۲۲	(۴) مسعود سعد سلمان
۴۴-۳۳	(۵) تربیت و تعلیم
۵۵-۴۵	(۶) اکبر کا سنجیدہ کلام
۵۴-۵۱	(۷) اونیات
۵۶-۵۵	(۸) مطبوعات جدیدہ

## مدینہ بجنور

ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے

یہ دینی، اخلاقی، سیاسی اور وقتی ضرورتوں کے مضامین کا ذخیرہ خبروں کا مجموعہ، قوم اور اسلام اور ملک کا سچا خادم، رسول کریم کی یاد کو تازہ کرنے والا، جذبات عشقِ خداوندی کی افزائش کرنے والا، گورنمنٹ کا وفادار، پبلک کی خواہ نہایت آب و تاب کے ساتھ صاف اور خوشخط شہزبجور (صوبہ متحدہ) سے شائع ہوتا ہے، قیمت سالانہ چھ روپیہ، ششماہی (۳) سہ ماہی عار، نمونہ کا پرچہ مفت ارسال ہوگا۔

المشہر مجید حسن مالک و منیجر اخبار مدینہ بجنور (صوبہ متحدہ)